مسلمان استاد

ڈاکٹر محمد وسیم اکبر شیخ

مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

مسلمان استاد

(شخصیت و کردار)

[illegible] بیت العتیق (رجسٹرڈ)
کتاب نمبر

ڈاکٹر محمد وسیم اکبر شیخ

مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ناشر: محمد سعید اللہ صدیق
مکتبہ تعمیر انسانیت ○ لاہور
مطبع: ندیم یونس پرنٹرز لاہور
طبع: اوّل
قیمت: 120 روپے

اِنتساب

اللہ رب العزت کے نام جس نے
محسن انسانیت اور معلم اعظم و آخر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے علم عطا کیا

فہرست

عنوانات — صفحہ نمبر

تعارف کتاب — ڈاکٹر سعید انور — ۱۰
پیش لفظ — ڈاکٹر وسیم اکبر شیخ — [illegible]
دیباچہ — پروفیسر رب نواز — ۱۳
مقدمہ — [illegible]

باب ۱ — ۲۳
تعلیم کیا ہے — ۲۵
تعلیم ایک ذریعہ تعمیر — ۲۵

باب ۲ — ۲۹
معلم کی حیثیت اور مرتبہ — ۳۱
استاد ایک تحریک ایک ادارہ — ۳۲
استاد اور شاگرد کا تعلق — [illegible]

باب ۳ — ۳۹
موجودہ نظام تعلیم کی خامیاں — ۴۱
انگریزوں کا ودیعت کردہ نظام تعلیم — ۴۱
طبقاتی نظام تعلیم — ۴۲
اعلیٰ مقاصد کا فقدان — ۴۳
اخلاقیات سے عاری نظام تعلیم — ۴۳
تعلیم برائے حصول روزگار — ۴۵
ذریعہ تعلیم کا مسئلہ — ۴۵
ابلاغ کے عمل میں رکاوٹ — ۴۷

باب ۴ ۴۹

موجودہ نظام تعلیم میں اساتذہ کی حالت زار ۵۱

معیار تعلیم کی پستی ۵۱

امتحانات کے نتائج اور اساتذہ ۵۲

نوجوانوں کی مذہب سے بیگانگی کی وجہ ۵۲

نصاب کی خامیاں ۵۳

طلبہ کی اخلاق باختگی ۵۳

استاد اور شاگرد کا تعلق ۵۴

استاد کی عظمت اور حیثیت ۵۴

ٹیوشن سنٹرز اور خلاصوں کا استعمال ۵۴

باب ۵ ۵۷

معلمی اہم فریضہ اور مشن ۵۹

مشن کیا ہے ۵۹

معلم ایک مشن کا علمبردار ہے ۶۰

باب ۶ ۶۳

مسلماں استاد ایک ہمہ گیر شخصیت ۶۵

ماہر نفسیات ۶۵

روحانی باپ ۶۶

طلبہ کا ہمدرد ۶۷

طلبہ کا مشیر ۶۷

مصلح ۶۸

باب ۷ ۶۹

مسلماں استاد کے لیے ضروری صفات ۷۱

اسلام کا صحیح علم ۷۱

محب وطن ۷۱

حسن سلوک ۷۲
عفو و درگزر ۷۲
قول و فعل ۷۳
عدل و انصاف ۷۵
زبان کی حفاظت ۷۶
مطالعہ کی عادت ۷۶
ایثار و قربانی ۷۷
تعریف و تحسین ۷۸
حکمت ۷۸
سادگی و انکساری ۷۹
جوہر شناسی ۸۰
پابندی وقت ۸۱
خود اعتمادی ۸۱
ہر دل عزیز شخصیت ۸۱
شرمندگی سے بچانا ۸۲
باب ۸ ۸۵
تعلیمی اداروں کی مجموعی فضا اور استاد
رفقائے کار سے خوشگوار تعلقات ۸۷
تعلیمی اداروں میں وحشیانہ سزاؤں کا تصور ۸۸
معاشرتی رکاوٹیں اور معلم ۹۳
تعلیمی اداروں میں نقل کا رجحان اور اساتذہ ۹۶

باب ۹

طلبہ اور معلم ۹۹
طلبہ کی ناپسندیدہ عادتیں اور معلم ۱۰۱
اچھی عادات کیسے پیدا کی جائیں ۱۰۳

تعلیمی ادارے کی دلچسپیاں ۱۰۵

باب ۱۰

اچھا لیکچر کیسے ترتیب دیا جائے ۱۰۷

لیکچر تیار کرنے کے اصول ۱۰۹

لیکچر کو دلچسپ اور متوازن کیسے بنایا جائے ۱۱۱

بیانیہ انداز ۱۱۲

واقعاتی انداز ۱۱۳

خطابیہ انداز ۱۱۳

پرتجسس انداز ۱۱۴

متعلقہ مضمون پر عبور ۱۱۵

باب ۱۱ ۱۱۷

مسلمان استاد کی ذمہ داریاں

مقصد زندگی سے آگاہی ۱۱۹

فہم قرآن مجید ۱۲۰

غیر اسلامی نظریات کی تطہیر ۱۲۱

اسلامی اصطلاحات ۱۲۲

اجتماعات کا انعقاد ۱۲۲

قومی رہنماؤں کا تذکرہ ۱۲۳

کتب بینی کی عادت ۱۲۳

یادگار ایام ۱۲۴

کمزور طلبہ پر زیادہ توجہ ۱۲۴

طلبہ میں موسیقی کا رجحان ۱۲۵

طلبہ میں فحش شاعری کی وبا ۱۲۵

مال حرام سے نفرت اور بیزاری ۱۲۶

دین و دنیا کی تفریق کا خاتمہ ۱۲۶

باب ۱۲	۱۲۹
اسلام اور سائنس	۱۳۱
سائنسی مضامین اور مسلمان استاد	۱۳۳
مسلمانوں کی سائنسی خدمات	۱۳۵
ابو ہاشم خالد	۱۳۷
جابر بن حیان	۱۳۷
البیرونی	۱۳۸
ابن رشد	۱۳۸
الرازی	۱۳۸
یعقوب بن اسحاق الکندی	۱۳۹
بوعلی سینا	۱۳۹
عبدالمالک اصمعی	۱۳۹
باب ۱۳	۱۴۱
سائنسی مضامین کی تدریس اور مسلمان استاد	۱۴۳
کیمیا	۱۴۴
طبیعیات	۱۴۴
زراعت و نباتات	۱۴۵
حیوانیات	۱۴۷
عمرانی علوم کی تدریس	۱۴۷
تاریخ	۱۴۹
معاشیات	۱۴۹
سیاسیات و دیگر علوم	۱۵۱
باب ۱۴	۱۵۴
کامیاب مسلمان استاد	۱۵۵
مدرسہ میں نظم و ضبط قائم کرنا	۱۵۷

تعلیم اور مسلم علماء ۱۵۸
امام غزالی کے تعلیمی نظریات ۱۵۸
معلم کے فرائض ۱۵۹
ابن خلدون ۱۶۱
مقاصد تعلیم ۱۶۲
ابن خلدون کا نظریہ سزا ۱۶۳
شاہ ولی اللہ ۱۶۴
مقاصد تعلیم ۱۶۴
سرسید احمد خان ۱۶۵
تعلیمی نظریات ۱۶۵
عام تعلیم ۱۶۶
خاص تعلیم ۱۶۶
تعلیمی خدمات ۱۶۶
اورینٹیل سیکشن ۱۶۷
انگلش سیکشن ۱۶۷
علامہ اقبال ۱۶۸
علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات ۱۶۹
سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۷۰
تعلیمی نظریات ۱۷۱
امام حسن البنا شہید ۱۷۳
تعلیمی نظریات ۱۷۵
سید محمد سلیم ۱۷۶

تعارف کتاب

تعلیم اور تعلم کے عمل میں استاد کی حیثیت مرکزی ہے اور اس کا کردار ایک داعی کا کردار ہے۔

استاد تعلیم و تربیت کے ذریعے ایک گراں قدر فریضہ ادا کرتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کے ذہنوں میں قومی نظریات کو راسخ کرے۔ انہیں خود شناسی سکھائے اور فرائض کی ادائیگی کا اہل بنائے۔ استاد کا کام ہے کہ وہ اپنی ثقافت کو زندہ رکھے اس کی اشاعت کرے اور اسے اپنی آیندہ نسلوں کو منتقل کرے۔ مدرسے قائم ہی اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ قومی نظریات اشاعت پذیر ہوتے رہیں۔ ایک مسلمان اور نظریاتی ملک کا شہری ہونے کے ناطے پاکستانی استاد پر لازم ہے کہ وہ اپنے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرے جو ایک مسلمان استاد کا خاصہ ہوتی ہیں۔ اساتذہ کے تربیتی اداروں کے نصاب میں بھی یہ ایک بڑی خامی ہے کہ اس میں ایک استاد کے صحیح خدوخال نہ تو واضح کیے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے برادرم وسیم اکبر کی کتاب ''مسلمان استاد'' ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتی نظر آتی ہے۔ انداز تحریر مہذب' شائستہ اور پر اثر ہے۔ کتاب کے مصنف نے اسلامی انداز فکر کو اپناتے ہوئے مسلمان استاد کی ذمہ داریوں اور احیائے اسلام میں اس کا انقلابی کردار واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ مصنف اس کوشش میں کامیاب ہے۔

یہ کتاب بی۔ ایڈ اور ایم ایڈ کے طلبہ کو معلم کے داعیانہ کردار کو سمجھنے میں مدد دے گی۔ علاوہ ازیں مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے ہر سطح کے اساتذہ بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر سعید انور
ڈائریکٹر ادارہ تعلیم و تحقیق گومل یونیورسٹی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان

۲۴ مارچ ۱۹۸۸ء

پیش لفظ

سردیوں کی ایک یخ بستہ رات کو ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے ہوئے میرے والد محترم حاجی عبد العلیم اکبر نے اظہار افسوس کرتے ہوئے ایک واقعہ سنایا کہ "کل ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئر مین ایک گاؤں میں سکول کا معائنہ کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ تین استاد تاش کھیل رہے ہیں اور دو بھنگ گھوٹنے میں مصروف ہیں جبکہ سکول کے بچوں کو چھٹی دے دی گئی ہے۔

راقم الحروف کو یہ افسوسناک واقعہ سن کر فوراً وہ حدیث یاد آئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔(اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً) ترجمہ: بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن وراثت پیغمبری کے منصب پر فائز آج کے معلم کو اپنی حیثیت، مرتبے اور ذمہ داریوں کا علم و شعور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے چالیس سال گزرنے کے باوجود مسلمان اساتذہ اسلامی اخلاق و کردار کی حامل ایک نئی نسل تیار کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔

علاوہ ازیں ان دنوں اکثر لوگ یہ شکوہ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ آج کے طالب علم اور ماضی کے طالب علم میں بڑا فرق ہے۔ ماضی کا طالب علم مودب غیر سنجیدہ ہے۔ مان لیا کہ یہ بات عین درست ہے کہ طالب علم وہ نہیں رہا جو اسے ہونا چاہیے تھا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا استاد وہی ہے؟ جو ماضی میں تھا۔ کیا اس کے رویے میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہے؟ کیا وہ اپنے عظیم فرائض سے آگاہ ہے؟ اور کیا وہ اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ، پورا کر رہا ہے؟

"مسلمان استاد" نامی کتاب اساتذہ کی تربیت اور طلبہ کی سیرت و کردار کی تشکیل جیسے اہم اور عظیم نصب العین کے حصول کے لئے لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب اساتذہ کو لیکچر تیار کرنے۔ رفقائے کار سے تعلقات بہتر بنانے اور طالب علموں کے ساتھ اچھا رویہ رکھنے میں بھی مدد دے گی۔ میں

اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب سے بی ایڈ اور ایم ایڈ کے طلبہ کے علاوہ ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں خدمات سرانجام دینے والے اساتذہ کرام اور دینی مدارس کے معلمین بھی مستفید ہو سکیں گے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن دوستوں اور بزرگوں نے میری مدد کی، میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ تعلیم سے متعلق کتب فراہم کرنے پر میں شعبہ صحافت کے لائبریرین بشیر احمد قریشی، یاسین عادل، محمد اظہار الحق اور سنٹر لائبریری گومل یونیورسٹی کے اسسٹنٹ لائبریرین بشیر احمد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی کرنے پر میں اپنے والد محترم حاجی عبدالعلیم اکبر (ایریا منیجر سٹیٹ لائف) شعبۂ نظمیات عامہ کے لیکچرر حاجی بہادر شاہ اور بزرگ صحافی حاجی عبدالکریم صابر کا بے حد ممنون ہوں۔ میں چیئرمین شعبہ صحافت سید شوکت علی کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر کتاب کے مسودے کی نوک پلک درست کی۔ میں تمام قارئین سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ کتاب کے اندر اگر کوئی خامی یا تشنگی محسوس ہو تو مجھے ضرور مطلع کریں۔

محمد وسیم اکبر شیخ

دیباچہ

پروفیسر رب نواز
ڈائریکٹر، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور

اسلامی معاشرے میں ہمیشہ استاد کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور اسے نہایت محترم ہستی تسلیم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بادشاہوں اور شہزادوں کے دماغ میں استاد کے پاؤں دھونے کی خواہش انگڑائیاں لیتی رہی ہے۔

استاد وہ محترم ہستی رہی ہے جس کی دہلیز پر شہزادے دستک دیتے رہے ہیں۔ اور ان کے زانوے تلمذ تہہ کرتے رہے ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جب کبھی استاد (امام مالک کی طرف اشارہ ہے) سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ وہ شہزادوں کو اپنی دہلیز پر بلانے کے بجائے شاہی محل میں پڑھانے کے لئے آئیں تو جواب ''نہ'' کی صورت میں دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس تمنا کو بھی ٹھکرا دیا گیا کہ شہزادوں کے لئے تعلیم و تدریس کا ''خصوصی'' انتظام کیا جائے۔

مگر کیا استاد آج بھی اسی مرتبے اور مقام پر فائز ہے؟ کیا آج بھی اس کی دہلیز پر شہزادے آتے ہیں؟ کیا آج بھی، اس کے پاؤں دھونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے شہزادوں میں لڑائی ہوتی ہے؟

ان سوالات کا جواب غالباً ڈاکٹر سید عبداللہ (مرحوم) کی زبان میں یوں دیا جا سکتا ہے کہ

''کل کا استاد سلطان تھا اور آج کا استاد ملازم ہے۔''

مسلمانانِ برصغیر کی تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انگریز برصغیر میں آیا تو اس نے تعلیم و تدریس کو مادی فوائد سے وابستہ کر دیا۔ تعلیم و تدریس کا مقصد اب تہذیب نفس اور اعلیٰ انسانی اختلافات نہیں، عزت و شہرت اور روپیہ پیسہ ٹھہرا۔ یوں استاد فکر معاش کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ حکیم

الامت علامہ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

تعلیم کے بدلے میں "تنخواہ" نے استاد کے مقام و مرتبے کو گرا کر رکھ دیا۔ اس تصور نے استاد کی خودی، غیرت اور اس کی شانِ بے نیازی کو ختم کر کے اس کے اندر نوکری اور تنخواہ کے جراثیم پیدا کر دیئے۔

ان "صفات" کا حامل استاد بچوں میں بلند نظری، اعلیٰ ظرفی، دور بینی و دور اندیشی، جانگدازی، سخت کوشی پیدا نہیں کر سکتا۔

ایسا استاد بلند فکری کے بجائے پست اندیشی، پستی، دور بینی کے بجائے کوتاہ نظری، جان گزاری کے بجائے تن آسانی اور کوشش کے بجائے سہل انگیزی ہی پیدا کر سکتے ہیں۔

حکیم الامت کو ایسے ہی اساتذہ سے شکایت تھی۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

کم یابی استاد کے ایسے دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سلطان استاد کو تلاش کیا جائے۔ اس آئیڈیل (Ideal) استاد کو پھر سے دریافت کیا جائے۔ ہمیں خوشی ہے کہ رفیق مکرم جناب ڈاکٹر وسیم اکبر شیخ نے ہماری اس تمنا کو مسلمان استاد کی شکل میں پورا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف استاد کا نقشہ کھینچا ہے بلکہ تعلیم و تدریس کے اصولوں اور طریقہ ہائے تدریس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ موصوف نے وہ گر بھی بتا دیئے ہیں جو سبق کی تیاری کے لئے ازبس ضروری ہیں۔

جو لوگ اتفاق یا حسن اتفاق سے پیشہ تدریس سے منسلک ہوگئے ہیں انہیں حقیقی استاد (Real Teacher) کے روپ میں ڈھالنے کے لئے یہ کتاب نسخہ شفا کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے توقع ہے اس کتاب کو پذیرائی حاصل ہوگی اور اہل علم اور عالمیان علم اور اساتذہ کے لئے زبان سے زیادہ استفادے کا باعث بنے گی۔

مقدمہ

تعلیم کا خواہ کوئی بھی فلسفہ ہو یہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف قوموں نے تعلیم کے مقاصد متعین کئے اور یہ مقاصد صدیوں تک کارفرما رہے۔ انسانی معاشرے میں جو تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں' ان کے ساتھ ساتھ مقاصد میں بھی تغیر آتا رہا ہے۔ انسانی ذہن نے اپنی معاشرتی' سماجی' تہذیبی اور قومی و ملکی ضرورتوں کے تحت مقاصد میں تبدیلیاں کیں' ضرورتیں بدلتی رہیں اور انسانی فکر ان کی تکمیل کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کرتی رہی۔ خالق کائنات نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے نبی اور رسول مبعوث کئے جن پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس طرح صحیح علم کی بنیاد پر صراط مستقیم انسانوں کے لئے کھول دی گئی۔

قرآن مجید نے انسان' کائنات اور خدا کا تصور دے کر اس کی غایت تخلیق کا تعین کر دیا۔ انسان' کائنات کے بارے میں سوچتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کائنات کی تخلیق ایک مقدس مقصد کے لئے ہے لہذا کائنات با مقصد ہے فضول نہیں ہے(۱) اس نے متعدد نظریات بھی قائم کئے ہیں۔ تصور کائنات ہی کسی تمدن کا کلیدی عنصر ہوتا ہے۔ تمام سرگرمیوں پر اس نظریے کی بڑی گہری چھاپ لگی ہوئی ہوتی ہے(۲) یہ بھی مشاہدے میں ہے کہ انسان کا تصور کائنات ہی اس کے معاشرے کی اقدار کو متعین کرتا ہے اور تمدن کی سیاسی اور معاشرتی سرگرمیوں کو مخصوص شکل عطا کرتا ہے(۳) انسان اللہ سے آزاد نہیں وہ ذمہ دار کی حیثیت رکھتا ہے وہ اپنی سرگرمیوں کے لئے اللہ کے حضور جواب دہ ہے(۴) اسلام انسان کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنے نفس اور کائنات میں آیات الٰہی کو تلاش کرے اور ان کو سمجھے۔(۵) خود قرآن نے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ ہم تمہیں نفس اور آفاق میں اپنی نشانیاں دکھا دیں گے جس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق وہی ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی ہے(۶) کائنات کے بارے میں انسانی فکر نے جو فلسفیانہ نکات پیدا کئے' ان میں خاصا تنوع ہے۔ لیکن اسلام نے جو تصور کائنات دیا' اس نے مسلم معاشرے کو ایک خاص شکل عطا کی ہے۔ ہر معاشرے میں تعلیم اس کے بنیادی مسائل میں شامل رہی ہے۔ اس کو سب سے پہلے اسی کی فکر ہونا چاہئے(۷) ہر قوم کی تہذیب' اس کی قومی تعلیم کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ یوں قومی تعلیمی قدریں اس کی تہذیبی قدروں کو بنیاد فراہم کرتی ہیں(۸) تعلیم و تہذیب قوم کے رگ و ریشے میں سرایت کر کے اجتماعی روپ قائم کرتی ہے مگر یہ تعلیم صرف انسانی تجربوں اور مشاہدوں پر مبنی علم کے تحت ہو گی تو اس کے نتائج مختلف ہوں گے اور اگر اس علم میں وحی کا علم شامل ہو گا تو انسانی معاشرے کو بہترین نتائج حاصل ہوں گے۔ وحی کا علم ہی انسانی معاشرے کے مختلف شعبوں میں بنی نوع انسان کی خدمت کر سکتا ہے۔ اگر وحی کا علم شامل نہ ہو تو شہر بھر میں ایک تولہ خالص دودھ بھی ملنا مشکل ہو گا(۹)۔ وحی کے علم کے حامل مسلمانوں نے مختلف علوم کی درجہ بندی کی اور ان کی کاوشوں سے مختلف علوم وجود میں آئے(۱۰) چنانچہ ان کی محنت و ہمت نے انسانی معاشرے کو امن و سکون دیا۔ اسلام نے جو تعلیم دی اس سے دین و دنیا کی ترقی ہوئی۔ دنیوی ترقی کے لئے جو علوم ضروری ہیں انہیں حاصل کرنے کی اسلام نہ صرف ترغیب دیتا ہے بلکہ حکم دیتا ہے اور ان علوم کا حاصل کرنا مسلمان سوسائٹی پر فرض کفایہ ہے(۱۱) اسلامی تعلیمات انسانی معاشرے کی روحانی اور مادی ضرورتوں کو کماحقہ پورا کرتی ہیں۔ لیکن یہ

ضروری ہے کہ اسلامی تعلیم کو کسی سیکولر نظریے کے ساتھ نہ چلایا جائے۔ اسلام ایسی اصطلاحات کا قائل نہیں جو مذہب اور لا مذہبیت کو محیط ہو۔ (۱۲)

اسلامی نظام حیات میں علم اور تعلیم و تدریس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن نے عقل وفکر اور تفکر و تدبر سے کام لینے کی تلقین کی ہے۔ قرآنی تعلیمات تمام تر حکمت و دانائی ہیں جو خدا نے وحی کی ہیں (۱۳) یہ حکمت کی باتیں اپنے اندر بہت گہرائی رکھتی ہیں۔ حکمت کی باتوں سے مراد یہ ہے کہ ان کی صحت پر انسانی عقل بھی گواہی دے (۱۴) اسی حکمت کی تعلیم حضور اکرمؐ نے دی (۱۵) حکمت و دانائی ایک ایسی علمی بصیرت کا نام ہی جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو نوازا اور حضور اکرمؐ کو معلم حکمت قرار دیا۔ (۱۶) قرآن نے انسان کو حقیقت تک پہنچانے کے لئے متعدد مثالیں دیں اور ساتھ ہی اسے سوچنے سمجھنے پر ابھارا اور کہا کہ یہ مثالیں لوگوں کی فہمائش کے لئے ہیں لیکن ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں (۱۷) یوں کائنات کی تفہیم اور حقائق اشیاء کے علم کے لئے اللہ پر ایمان ضروری قرار دیا گیا۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو ہی اصحاب علم کہا گیا اور کہا گیا کہ اہل علم ہی اللہ سے صحیح معنوں میں ڈرتے ہیں۔ (۱۸) کسی بھی نوع کا علم عنایت ربانی ہے جنہیں علم دیا گیا اور جو ایمان لاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ان کے درجے بلند کرے گا (۱۹) خود حضور اکرمؐ کو اور عام لوگوں کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے علم میں اضافے کی دعا کریں (۲۰) پھر مثال دے کر فرمایا کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کہیں یکساں ہو سکتے ہیں۔ ان مثالوں سے خصوصاً اور عام طور پر عقل سے کام لینے والے لوگ ہی نصیحت قبول کرتے ہیں (۲۱) علم و صاحب علم کی فضیلت کے بارے میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے (۲۲) انسان کو دوسری مخلوقات پر جو فضیلت دی گئی ہے وہ بھی عقل و شعور اور علم کی بنا پر ہے۔ علم بھی وہ جو اللہ نے سکھایا ہے (۲۳) جنہیں علم کی نعمت عطا ہوئی ہے ان کا مرتبہ و مقام اور ان کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے الہ ہونے پر شہادت دی ہے وہاں فرشتوں کے علاوہ اہل علم کی بھی شہادت کا خصوصی ذکر کیا ہے (۲۴) قرآن نے انسان کو عقل وفکر سے کام لے کر کائنات میں علم کے مختلف شعبوں میں تحقیق کا شوق دلایا ہے۔ علم ہیئت، علم طبقات الارض، علم جغرافیہ وغیرہ علوم کے واضح اشارے موجود ہیں (۲۵) چنانچہ مسلمانوں نے قرآنی ہدایت کے مطابق کائنات میں غور وفکر کر کے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ ان علوم کی بنیاد اگرچہ تعقل، تفکر اور تحقیق و مشاہدہ پر تھی لیکن مسلم اہل علم کی فکر و نظر میں عقیدہ توحید اساسی حیثیت رکھتا تھا۔ ان مسلمان اہل علم کی تحقیقات نظریات اور نتائج فکر میں اور توحید، فطرت، ٹیکنالوجی، انسانی معاشرتی قدروں میں ہم آہنگی تھی (۲۶)

مسلمانوں نے ابتدا ہی میں قرآن کی روشنی میں تعلیم و تعلم کے مقاصد رضائے الٰہی کے نظریے پر قائم کئے۔ اس وقت بھی اور آج بھی مقاصد تعلیم میں تفاوت، قوموں کے نظامہائے تعلیم کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے۔ نظام تعلیم مقاصد کے تحت ہی تشکیل دیا جاتا ہے۔ مغربی اہل دانش کے نزدیک تعلیم کا مقصد پیداوار بڑھانا ہے۔ وہ اس مقصد کے تحت چھوٹی عمر کے بچوں کی وفات کو بھی قومی اقتصادی نقصان قرار دیتے ہیں (۲۷) جب کہ روس میں لادینی نظام تعلیم کے تحت بچوں کو لادینیت کی جبری تعلیم دی جاتی ہے (۲۸) خود برٹرنڈرسل نے مذہبی تعلیم کو جذبہ خود اعتمادی کے سوتوں کو خشک کر دینے کے

مترادف قرار دیا تھا(۲۹)اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کے نظام تعلیم کا سب سے بڑا نقص اس کے نا آشنائے منزل ہونے کو قرار دیا گیا(۳۰)لینن نے لکھا تھا کہ یورپ کے نظام تعلیم نے درس گاہوں کو اعلیٰ طبقوں کی ادنیٰ طبقوں پر برتری کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ یورپ کی ان سامراجی حکومتوں کا نظام تعلیم طبقاتی تقسیم پر مبنی ہے(۳۱) مغرب کے اس نظام تعلیم نے دنیا کو خونخوارانہ اور خودغرضانہ قسم کی ذہنیت کے جاہل افراد فراہم کئے۔ اسی مغربی نظام تعلیم کے پروردہ لوگوں نے گذشتہ صدی میں دو عظیم جنگوں میں دنیا کے امن وسکون کو تباہ و برباد کیا اور موجودہ صدی کی ابتداہی میں افغانستان میں دنیا کی متمدن قوم امریکی مغربی نظام تعلیم کی قیادت نے امریکہ کو بے گناہ شہریوں کے قتل عام اور عراق کے باشندوں کی اجتماعی نسل کشی پر ابھارا۔ جس کے نتیجے میں دیکھتے ہی دیکھتے افغانستان کھنڈرات اور عراق معصوم بچوں اور بےقصور باشندوں کا قبرستان نظر آنے لگا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ مغربی نظام تعلیم کے متعلق بہت پہلے ایک دانش ور نے کہا تھا کہ اس طرز تعلیم سے مختلف اقوام پہلے سے کہیں زیادہ خونریزی اور غارت گری کے لئے تیار ہو رہی ہیں (۳۲) جدید تعلیم نے انسانی اخلاقیات کا وہ معیار قائم نہیں کیا جو اسلامی نظام تعلیم نے قائم کیا تھا(۳۳) یہ مغربی نظام تعلیم کے پروردہ لوگ ہیں جو آج یہ کہتے ہیں کہ اسلام اس زمانے میں عمل میں آنے والا دین نہیں ہے۔ نظام تعلیم کا مرکزی نقطہ ہی فکری تشکیل کرتا ہے۔ موجودہ مغربی نظام تعلیم مسلمانوں کو یہی نقطہ نظر دیتا ہے(۳۴)

مسلمان ماہرین تعلیم کے نزدیک تعلیم ایک ایسا اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے سے نئی نسل کو اسلامی ضابطہ حیات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ نظام تعلیم بے مقصد نہیں ہوتا (۳۵) اسی نقطہ نظر کے گرد پورا تعلیمی نظام گردش کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی نظام تعلیم نے دنیا کو امن وسکون نہیں دیا۔ اس بے خدا تعلیم نے دنیا میں فساد پھیلا دیا ہے اور طلبہ کو بنیادی انسانی اوصاف سے بھی محروم کر دیا(۳۶)

چنانچہ یہ ضروری امر ہے کہ ہر اس بے خدا نظام تعلیم کی کتابوں میں موجود گمراہ کن مواد کو تنقیدی نقطہ نظر سے پرکھا جائے اور نصاب میں تنقیدی حصہ شامل کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کے ذہنوں سے مغربی علوم سے مرعوبیت ختم کی جائے(۳۷) یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں دین اسلام کی ابدیت وصداقت پر محکم یقین ہو اور وہ انسانوں کو ایک بامقصد مخلوق سمجھتے ہوئے ان کی بہتری کا خیال رکھتے ہوئے نظام تعلیم کی تشکیل وحی کی تعلیمات کی روشنی میں کریں۔ اسلامی نظریہ تعلیم میں طلبہ کو اسلامی نظریات حکمت کی تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے(۳۸) تعلیم کے ذریعے جو اخلاقی قدریں اور اوصاف پیدا ہوں، طلبہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مستعد ہوں (۳۹) اسلام کا مقصد ہی یہ ہے کہ رضائے الٰہی حاصل کی جائے۔ اساتذہ اور طلبہ پورے معاشرے کی اجتماعی سرگرمیوں میں ایسی حیثیت رکھتے ہیں جیسے انسانی جسم کے ہر رگ و ریشے میں روح کام کرتی ہے(۴۰) چنانچہ ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے اسلام ایسا نصاب تعلیم مرتب کرنے کی تاکید کرتا ہے جو طلبہ کو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنا دے۔ یہی فلسفہ حیات نصاب کی بنیاد فراہم کرتا ہے(۴۱) کوئی نصاب بغیر مقصد حیات کے مرتب نہیں ہوتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہئے جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اسوۂ نبوی کی روشنی میں تشکیل پذیر ہو اور جو بعثت نبوی کے مقاصد کی تکمیل میں معاون بنے یعنی کتاب وسنت کی صحیح تعلیم دے سکے(۴۲) بعثت نبوی

کا مقصد اس تعلیم سے پورا ہوگا کہ انسان کو مقصد تخلیق سے آگاہ کیا جائے اور اسے حدود اللہ میں رہتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کا ضابطہ حیات دیا جائے (۴۳) مروجہ نظام تعلیم یہ مقصد پورا نہیں کرتا۔ موجودہ نظام تعلیم میں مذہبی تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ کوئی مقصد زندگی متعین نہیں کر پاتے (۴۴)

عہد نبویؐ میں جو تعلیم دی گئی اور جس نوع کا نظام تعلیم وضع کیا گیا اس کے دوررس اثرات صحابہ کرام کی زندگی پر مرتب ہوئے اور انہی کی بدولت ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس نے بنی نوع انسان کو امن و سکون کی نعمتوں سے سرفراز کیا۔ حضور اکرمؐ نے مسلمانوں میں تعلیم کی ایسی لگن پیدا کردی کہ مسلمان جہاں بھی گئے مسجدوں کے ساتھ تعلیم گاہیں بھی قائم کیں (۴۵) حضور اکرمؐ کی تعلیمی تحریک کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگوں میں علم کی طلب پیدا ہوگئی (۴۶) نفوس انسانی کا تزکیہ و تربیت اور معاشرے میں عدل اجتماعی کا قیام تعلیم کے ذریعے کیا گیا (۴۷) اس مسلم معاشرے میں خود حضور اکرمؐ نے تعلیم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے دور میں تعلیم کی ترقی کے لئے کاوشیں کیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جو معاہدات کیے ان میں بھی تحریر و کتابت کی ضرورت پڑتی تھی۔ پھر تعلیم یافتہ افراد کو مختلف مواقع پر ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ایک صحابی عبداللہ بن جعفر کو ایک لشکر کی ذمہ داری سونپی گئی' اس لیے کہ انہیں دوسروں کی بہ نسبت سورہ بقرہ زیادہ یاد تھی (۴۸) غزوہ بدر میں مسلمانوں نے جن لوگوں کو قیدی بنایا ان میں سے جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا یہ فدیہ قرار پایا کہ وہ مسلمانوں کو تعلیم دیں۔ ایک قیدی دس دس مسلمانوں کو تعلیم دے۔ (۴۹) حضورؐ نے فروغ تعلیم کے لیے جو کاوشیں کیں' انہی کی بنیاد پر ان کی مساعی کو تعلیمی تحریک قرار دیا جاتا ہے (۵۰) خود حضور اکرم ﷺ تعلیم دیتے تھے اور مسجد نبوی کو تعلیم گاہ کا درجہ بھی حاصل تھا۔ اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل طلبہ' شہر میں اپنا اپنے گھروں میں تعلیم دیتے تھے۔ یوں رفتہ رفتہ تھوڑے ہی عرصہ میں شہر مدینہ دار العلم بن گیا (۵۱)۔ صحابہ کرام کو حضور اکرم ﷺ مختلف علاقوں میں دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے لیے بھیجتے تھے' انہوں نے فروغ تعلیم کے لیے بہت کوششیں کیں۔ یہ علم و فضل کے درخشندہ ستارے تھے جن کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی (۵۲)

حضور اکرم ﷺ کا طریق تدریس انتہائی سادہ' مشفقانہ اور ہمدردانہ ہوتا تھا۔ جو کچھ بھی سیکھا جاتا اس کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا۔ صحابہ نے لوگوں کو اسوہ رسولؐ کی طرف متوجہ کیا۔ ان کے طریقہ تعلیم میں بھی سادگی تھی۔ معلم کی باعمل زندگی تعلیمی عمل کو زیادہ موثر بنا دیتی تھی۔ (۵۳)۔ یہی صحابہ کرام تھے جو عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیلے تو قرآن و حدیث کا علم بھی ساتھ لے کر گئے۔ یہی علم ان کی بدولت دنیا بھر میں پھیل گیا۔ (۵۴)۔

مسلمان حکمرانوں' امرا اور اصحاب ثروت نے تعلیمی اداروں کے قیام میں خصوصی دلچسپی لی۔ حضرت عمر فاروق نے مدینہ منورہ میں تین نئے مدارس قائم کئے اور مدرسین کو وظائف دیئے۔ ابن عباس کی مجلس میں ابوحمزہ کو آواز دوسروں تک پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ان کے ذمہ عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا کام بھی سپرد تھا (۵۵)

حکمرانوں نے جو ادارے قائم کئے ان میں المامون کا قائم کردہ ''بیت الحکمۃ'' پہلی حقیقی اکیڈمی تھی جو دنیائے اسلام میں قائم ہوئی (۵۶) نظام الملک طوسی کی قائم کردہ بغداد کی مشہور درس گاہ دار العلوم نظامیہ' اس وقت کی اسلامی دنیا کی بڑی یونیورسٹی تھی جو تین لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہوئی (۵۷) ایک زمانے میں جامعہ ازہر میں اڑھائی لاکھ دینار تعلیم پر خرچ

ہوتے تھے جب کہ یہاں تین سو ستر اساتذہ اور دس ہزار طلبہ تھے (۵۸) یوں دنیا بھر میں جہاں کہیں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے زیر اہتمام ایسی درس گاہیں وجود میں آئیں جو آج تک قائم ہیں۔ محمود غزنوی کے جانشین مسعود نے نہ صرف درس گاہیں قائم کیں بلکہ ان کے لئے اوقاف کا بھی انتظام کیا (۵۹) ان کثیر تعداد میں درس گاہوں کے قیام اور ان کے لئے اوقاف کے اہتمام کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم عام لوگوں کی دسترس میں رہے اور شرح خواندگی میں اضافہ ہو۔ (۶۰)

سلاطین دہلی اور مغلیہ عہد حکومت میں ہزاروں تعلیمی ادارے قائم ہوئے جہاں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حکمرانوں کے نام سے مسجد اور مکتب قائم ہوئے (۶۱) صوفیاء کرام نے بھی اپنی خانقاہوں کے ساتھ تعلیم و تربیت کے لئے مکتب قائم کئے (۶۲) مسلمانوں کی تاریخ میں ایک روایت یہ بھی رہی ہے کہ خواتین نے نہ صرف خود تعلیم و تعلم کا مقدس فریضہ سرانجام دیا بلکہ تعلیمی اداروں کے قیام اور تعلیمی سرگرمیوں میں بھی دلچسپی لی' صحابی خواتین' تعلیمی سرگرمیوں میں صحابہ کرام سے پیچھے نہ تھیں (۶۳)

ام المومنین ام سلمہؓ نے اپنے گھر میں ایک مدرسہ کھول لیا تھا جہاں قرآن و حدیث کے علاوہ فن قرأت و تجوید کی تعلیم بھی دی جاتی تھی (۶۴) ہر دور میں خواتین کی تعلیم اتنی عام تھی کہ لونڈیوں اور کنیزوں تک کی تعلیم کا اہتمام ہوتا تھا (۶۵) مراکش کے شہر فاس میں فاطمہ بنت محمد الفہری نے جامعہ قرویین ۲۴۵ھ میں قائم کی۔ نجی شعبہ میں قائم ہونے والی یہ عالم اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے (۶۶) امیر کی والدہ نے بھی دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا (۶۷) عباسیوں کے دور میں عالم اسلام میں متعدد مدارس قائم ہوئے جنہیں عالمی شہرت حاصل ہوئی۔ نیشاپور اور بغداد میں معروف مدارس حکمرانوں نے قائم کئے (۶۸)

اسلامی نظام تعلیم میں معلم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے (۶۹)۔ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم بندوں کی ہدایت کے لیے نازل کی اس کے ساتھ معلم بھی بھیجے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صرف کتاب ہدایت نازل ہوئی ہو اور نبی نہ بھیجا ہو (۷۰) انبیاء نے اپنے اپنے عہد میں لوگوں کو تعلیم دیتے وقت مثالی معلمانہ کردار پیش کیا۔ کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ یہ ان کا دینی فریضہ تھا۔ (۷۱) اس دینی فریضہ سے انہوں نے کبھی غفلت نہیں برتی' اسے بہر حال ادا کیا (۷۲) تعلیم و تعلم کا یہ عمل ہمہ گیر تھا۔ یہ تعلیم کسی کے لیے خاص نہ تھی۔ کسی پر تعلیم کے دروازے بند نہ تھے۔ اصحاب صفہ میں ایک ایک وقت میں ستر ستر افراد ہوتے تھے۔ (۷۳) اساتذہ کو معلم کی اہمیت کا اندازہ تھا اور معلم کی عظمت و اہمیت کے بھی شناسا تھے۔ معلم کے مرتبہ و مقام سے خود حضور ﷺ نے اپنی نسبت ظاہر کی اور فرمایا انما بعثت معلما (۷۴)

چنانچہ صحابہ کرام بھی تعلیم و تعلم میں کسی طرح کی سستی نہ کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ لوگ تمہارے پاس حصول علم کے لیے آئیں گے تو ان سے اچھا سلوک کرنا' حضور اکرم ﷺ کے متعلمین جب تعلیم و تعلم کا کام کرتے تو لوگوں کے فہم اور ذہنی سطح کے مطابق بات کرتے۔ (۷۵) قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کی شخصیت کا ایک وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ بہت نرم طبیعت' شفیق و مہربان ہیں' (۷۶) بزرگان دین اور مسلمان اساتذہ نے شفقت و محبت سے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو متاثر کیا۔ اصلاح و تربیت کے لیے ملاطفت' دلجوئی اور دل نوازی سے کام لیا۔ (۷۷) مسلمان اساتذہ

ایسے اصحاب علم سے تعلیم حاصل کرتے جنہیں رسوخ فی العلم حاصل ہوتا۔ صحابہ کا علم اسی طریق پر تھا۔ (۷۸) جبکہ آج علم میں رسوخ حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ بس ایک تاجرانہ تعلق ہے اور غور وفکر بھی تعلیم وتدریس میں مفقود ہے۔ (۷۹) یہی وجہ ہے کہ تعلیمی عمل میں استاد کی لیاقت وقابلیت بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اگر یہ قابلیت استاد میں موجود نہیں تو عام ضابطے اور تعلیمی طریقے ناکام ہو جاتے ہیں۔ (۸۰) اسی رسوخ فی العلم کی خاطر مسلمان طالب علم تعلیم اتنی محبت سے حاصل کرتے تھے کہ انہیں تدریس کے لیے کسی پیشہ ورانہ سند کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ (۸۱) جبکہ آج دنیا بھر میں اساتذہ کی پیشہ ورانہ تعلیم کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ (۸۲) حصول علم کے بعد جب انہیں تدریس وتعلیم کی ذمہ داری نبھانا ہوتی تو بھی علم سے اپنا رشتہ قائم رکھتے اور کسی کامل استاد اور شیخ سے تعلق قائم کر لیتے (۸۳) علم میں پختگی اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے ایک سے زیادہ اساتذہ سے تحصیل علم میں کوئی جھجک محسوس نہ کی جاتی چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے سیکڑوں اساتذہ تھے اور امام بخاری سے نوے ہزار شاگردوں نے حدیث پڑھی (۸۴) شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے شیخ کے مدرسہ میں تعلیم وتدریس کا کام شروع کیا۔ ان کے حسن تدریس کا یہ عالم تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسے میں توسیع کرنے کی ضرورت پڑی (۸۵)

اساتذہ کا احترام اور اعزاز واکرام بھی مسلم معاشرے کا ممتاز اور قابل ذکر پہلو ہے۔ استاد کبھی اپنے شاگردوں کی بہتری سے مایوس نہیں ہوتا خواہ ساری دنیا مایوس ہو جائے۔ استاد اور والدہ کے سینے میں اس کی بہتری کی امید قائم رہتی ہے (۸۶) بادشاہوں اور امراء نے علماء کی قدر دانی کی شاہجہاں نے ملا عبدالحکیم کو سونے میں تلوا کر سونا انہیں دے دیا (۸۷) اندلس کے حکمران خود بھی عالم تھے اور علم پروری میں مشہور تھے (۸۸) حکمرانوں نے جن علماء سے علم حاصل کیا انہیں اتالیق بھی کہا جاتا تھا اور حکمرانوں نے اپنے اتالیق کی خوب قدر کی اور انہیں نہ صرف دربار میں بلکہ معاشرے میں بھی معزز مقام عطا کیا (۸۹) اسلامی نظام تعلیم کا ہی اثر ہے کہ عالم اسلام کے ایک ملک کے تعلیمی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک مغربی دانشور نے لکھا کہ استاد معاشرتی لحاظ سے خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور شاگرد خواہ کتنے ہی بلند مقام ومرتبہ پر ہو عام مجمع میں جب بھی شاگرد استاد سے ملے گا احترام وعقیدت سے ملے گا (۹۰)

مسلمان اساتذہ اور تلامذہ نے اکرام واحترام کے لحاظ سے ایسے بے نظیر واقعات تاریخ کے صفحات میں یادگار چھوڑے ہیں کہ انہیں پڑھ کر شرف انسانی کا سر بلند ہو جاتا ہے۔ یہ تعلق ورابطہ اللہ کی رضا کے لئے تھا اور اس کی صورت ایسی تھی جیسے باپ بیٹے کے تعلق کی ہوتی ہے۔ استاد طلبہ سے معاوضہ نہ لیتے تھے (۹۱) حضور اکرم کا یہی اسوہ حسنہ تھا اور انہوں نے یہی تلقین کی تھی کہ لوگ تمہارے پاس علم سیکھنے آئیں کے تو لطف وکرم سے پیش آئیں۔ اساتذہ خود کو بڑا نہ سمجھیں۔ بعثت کی کلید اللہ کی صداقت کو تسلیم کرنا ہے (۹۲) مسلمان اساتذہ اور طلبہ نے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی ایسی بہترین مثالیں قائم کی ہیں کہ دنیا کی دوسری قومیں ایسے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ زید بن ثابت کو سوار کرنے میں حضرت عبداللہ بن عباس نے مدد دی کہ علماء کے احترام کا تقاضا تھا (۹۳) مسلمان اساتذہ نے غیر مسلم طلبہ کو بھی اتنی محنت وشفقت سے پڑھایا جتنی محنت وشفقت سے مسلمان طلبہ کو تعلیم دی۔ مسلمان اساتذہ غیر متعصب تھے اور ان کے طلبہ بھی کھلے ذہن سے

تعلیمی عمل میں طلبہ کو جزا وسزا کا مسئلہ بھی اہل علم میں مختلف فیہ رہا ہے۔ مشرق ومغرب کے ماہرین تعلیم اور ماہرین

تعلیم وتعلم کا عمل جاری رکھتے تھے (۹۴) جب کہ استعماری طاقتوں نے جہاں کہیں مغربی نظام تعلیم رائج کیا وہاں متعصبانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اسلامی علوم وفنون کو پنپنے نہیں دیا۔ انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کی کوشش کی (۹۵) اسلامی نظام تعلیم میں مسلمان اساتذہ کے اخلاق وکردار کو مثالی بنانے پر توجہ دی گئی۔ ان کے مربیانہ طریق تعلیم نے طلبہ کے کردار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اخلاق وکردار کی بہتری کا یہ پہلو بہت اہم ہے جس کی طرف مغربی نظام تعلیم نے توجہ نہیں دی (۹۶) اسلامی نظام تعلیم کے مثبت اثرات نے دنیا بھر سے خراج تحسین حاصل کیا۔ صدیوں تک دنیا سمجھتی رہی کہ اگر کوئی تہذیب و تمدن ہے تو مسلمانوں کا ہے (۹۷)

آج تعلیم ایک تجارت بن چکی ہے۔ تاجرانہ ذہن کے ساتھ تعلیمی ادارے تعلیم وتعلم کا عمل جاری کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں استاد اور شاگرد کا تعلق ان پاکیزہ جذبات اور اعزاز واحترام کو پیدا نہیں کرتا۔ اس سے یورپ میں اور مغرب کے نظام تعلیم کے زیر اثر دوسرے ممالک میں جو کوتاہیاں اور خرابیاں پیدا ہوئی ہیں انہیں اسلامی نظام تعلیم میں کارفرما اعلیٰ اخلاق وکردار کا بے لوث جذبہ خدمت ہی دور کرسکتا ہے۔ اس سے مغربی تہذیب کی وہ بنیادیں منہدم ہوں گی جو ان کے نظام تعلیم میں موجود ہیں (۹۸) مسلمان اساتذہ میں یہ روایت رہی ہے کہ تلامذہ کو بغیر کسی معاوضے کے تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت عمر فاروق" کی عہد میں اساتذہ کو بیت المال سے گزر بسر کے لئے کچھ دیا جاتا تھا (۹۹) تاہم اساتذہ اللہ کی رضا کے لئے تعلیم وتدریس کو اپنا فرض سمجھتے تھے اور بلا معاوضہ تعلیم دیتے تھے (۱۰۰) وہ رزق حلال کے لئے کوئی اور پیشہ اختیار کر لیتے تھے مثلاً دودھ شکر سے شیرینی بنا کر فروخت کرتے۔ لیکن مسلمانوں کو تعلیم دینے کا کام بلا معاوضہ کرتے تھے (۱۰۱) اس طرح معلم اپنی بے لوث خدمت سے شاگردوں کی شخصیت میں ایسے اثرات پیدا کرتا ہے جو معاوضے کی صورت میں درس وتدریس سے ممکن نہیں۔ آج معاشرتی واقتصادی حالات ایسے ہیں کہ بلا معاوضہ تدریس ممکن نہیں تاہم اسلامی تعلیمات اور بہترین فکری ونظری صلاحیتوں کے حامل اساتذہ آج بھی اپنے اسلاف کی سنہری روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس کے بہترین نتائج بھی معاشرے پر مرتب ہو رہے ہیں۔ جدید نظام تعلیم نے' معاشی حالات کے تحت یا دیگر عوامل کے تحت بہر حال یہ نقطہ نظر پروان چڑھایا ہے کہ حصول علم اور درس وتدریس کا مقصد معاش کے ذرائع پیدا کرنا ہے۔ جب کہ قرآن رزق و معاش کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتا ہے کہ خدا نے انسان کو کھانے کمانے کی فکر میں فنا ہو کر مرنے کے لئے ہرگز پیدا نہیں کیا (۱۰۲) تعلیم وتدریس کے لئے معاوضہ نہ لینا فرض واجب نہیں اور نہ یہ فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ بعض علماء نے معاوضہ لینے کو جائز بھی لکھا ہے لیکن دوسرا گروہ تعلیم وتدریس کو فریضہ قرار دیتا ہے جس پر معاوضہ نہیں لیا جاسکتا (۱۰۳) بعض مفکرین اسلام کے نزدیک معاوضہ اس لیے نہیں لینا چاہیے کہ اس سے استاد کی خود آشنائی میں فرق آتا ہے۔ اقبال معلم کو وجدانی بصیرت کا حامل' حقیقت شناس اور متوازن شخصیت کا حامل دیکھنا پسند کرتے ہیں (۱۰۴) عرب سے باہر جن جن ملکوں میں مسلمان پہنچے اور وہاں تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہوا تو مقامی حالات کے تحت معاوضے کی شکلیں متعین ہوئیں۔ پاک وہند میں سلاطین اور مغلیہ دور کے حکمرانوں کے دینی مدارس کو جاگیریں دیں' اس طرح ان کی کفالت کا اہتمام ہوا۔ اساتذہ کو فکر معاش سے آزاد کر دیا گیا اس طرح معاشرے میں استاد کی حیثیت بھی محترم ہوگئی (۱۰۵) آج معاشی پیچیدگیوں نے علماء کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اساتذہ بقدر ضرورت معاوضہ لے سکتے ہیں۔

نفسیات اس سلسلے میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں تعلیمی اداروں میں سزا کا رواج نہ تھا۔ تحصیل علم کے لئے تشویق، ترغیب، نرمی اور آسانی کا رجحان غالب تھا۔ بعد کے ادوار میں سزا کا عمل دخل بھی شروع ہوا۔ تاہم آج ماہرین تعلیم سزا کی افادیت کے قائل ہیں۔ لیکن سزا کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں، جن سے طالب علم کی عزت نفس مجروح نہ ہو (۱۰۶) عصر حاضر میں تعلیمی مسائل کی مختلف قسموں نے بھی نظام تعلیم کو متاثر کر رکھا ہے خصوصاً ترقی پذیر ممالک تو ان مسائل میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے عروج کے دور میں اور بعد میں بھی لمبے عرصے تک مسلم طلبہ ان تعلیمی مسائل سے دوچار نہ تھے (۱۰۷) سب سے بڑا مسئلہ طلبہ کے غیر نصابی مشاغل ہیں۔ جن میں ایسی سرگرمیاں بھی داخل ہوگئی ہیں جنہیں تعلیم سے زیادہ سیاسی سرگرمیاں کہا جا سکتا ہے۔ بعض ممالک میں ان اجتماعی سرگرمیوں کو مثبت تعلیمی پروگراموں میں تبدیل کر کے ہم نصابی سرگرمیوں میں بدل دیا گیا ہے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ طلبہ اگر غیر علمی مشاغل میں مصروف رہ گئے تو ان کی تعلیم وتربیت نامکمل رہ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ طلبہ کی تعلیم وتربیت اگر نامکمل ہوگی تو یہ پوری دنیا کا نقصان ہے (۱۰۸) انہیں صرف حصول علم کے لئے وقف رہنا چاہئے تاکہ فارغ التحصیل ہو کر زندگی کے مختلف شعبوں میں پختہ کار ذمہ دار اور ماہر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے سکیں۔

مسلمانوں نے جو نظام تعلیم دیا، اس کے نتائج بھی دنیا نے دیکھے اور مغرب کے مادی نقطہ نظر پر مبنی نظام تعلیم کے اثرات بھی دنیا کے سامنے ہیں۔ صدیوں تک مسلمانوں کا نظام تعلیم، فکری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی دائروں میں اپنے مثبت علمی نتائج پیش کرتا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے قول کے مطابق ”درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ درس گاہ نبویؐ کے فیض یافتہ صحابہ کرام کے کارناموں پر نظر دوڑائیں اور پھر مسلمانوں کی صدیوں پر محیط علمی تاریخ ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ دنیا بھر میں ان لوگوں کے طفیل تعلیم وتربیت کو کس قدر فروغ حاصل ہوا (۱۰۹) مغربی ممالک میں درس گاہیں ایک ذہن کو دوسرے ذہن کا غلام بنانے کا کام سرانجام دے رہی ہیں اور ان درس گاہوں میں ذہنی اور اخلاقی تربیت کا بھی فقدان ہے (۱۱۰)

حوالہ جات

(۱) ابوالفضل محسن ابراہیم: جدید حیاتیاتی مسائل اور اسلام، ص ۱۱ (۲) وائٹ ہیڈ: ایڈونچرز آف آئیڈیاز، ص ۱۳ (۳) ضیاء الدین سردار: اسلامی سائنس کیوں؟ ص ۶ (۴) وہی مصنف: مجلہ اسلامی سائنس، ۱۹۸۵ء، ص ۴۲ (۵) ابوالفضل محسن ابراہیم: جدید حیاتیاتی مسائل اور اسلام، ص ۱۳ (۶) حم السجدہ ۴۱: ۵۳ (۷) سید مودودی: تعلیمات، ص ۲۴ (۸) سید احمد خاں: تعلیم وتہذیب، ص ۱۱۷ (۹) مناظر احسن گیلانی: پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۷۸ (۱۰) ڈاکٹر حسین نصر: اسلام میں سائنس اور تہذیب، ص ۵۲ (۱۱) محمد ادریس کاندھلوی: مسئلہ تعلیم، ص ۱۰ (۱۲) اسماعیل راجی فاروقی: توحید فکر اور حیات انسانی پر اس کے اثرات، ص ۷۳ (۱۳) بنی اسرائیل ۱۷: ۳۹ (۱۴) احمد رضا خاں بریلوی: ترجمہ قرآن، ص ۴۱۴ (۱۵) سلیمان ندوی: سیرت النبی، ج ۴، ص ۱۰۶ (۱۶) غلام عابد خاں: عہد نبوی کا نظام تعلیم، ص ۴۷ (۱۷) العنکبوت ۲۹: ۴۳ (۱۸) فاطر ۳۵: ۲۸ (۱۹) المجادلہ ۵۸: ۱۱ (۲۰) طٰہٰ ۲۰: ۱۱۴ (۲۱) الزمر ۳۹: ۹ (۲۲) ابوداؤد: علم (۲۳) البقرہ ۲: ۳۱ (۲۴) آل عمران ۳: ۱۸ (۲۵) محمد حسین خان زبیری: مشاہیر کے تعلیمی نظریات، ص ۱۸، ۱۹ (۲۶) وقار احمد حسینی: اسلامی سائنس اور اجتماعی حکمت عملی، ص ۲۶ (۲۷) برٹرینڈ رسل: نظام معاشرہ اور تعلیم، ص ۲۴۰ (۲۸) روسی دستور ۱۹۳۶ء۔ آرٹیکل ۱۲۱، دفعہ سوم (۲۹) نظام معاشرہ اور تعلیم، ص ۱۳۳ (۳۰) اے۔ این وائٹ ہیڈ: مقاصد تعلیم (۳۱) پروفیسر سعید اختر: ہمارا نظام تعلیم، ص ۱۳۰ (۳۲) آلڈس ہکسلے: ذرائع اور

مقاصد (۳۳) مناظر احسن گیلانی: پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت' جلد دوم' ص ۱۲/۱۳ (۳۴) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: قوموں کے عروج و زوال پر علمی تحقیقات کے اثرات' ص ۶۶ (۳۵) سید محمد سلیم: ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت' ص ۳۰ (۳۶) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: نظام تعلیم نفاذ کی عملی تدابیر' ص ۱۳ (۳۷) نعیم صدیقی: موجودہ نظام تعلیم میں تبدیلی کیوں اور کیسے' ص ۱۱ (۳۸) سید محمد سلیم: قرآن کا تصور تعلیم' ص ۱۹ (۳۹) احسان اللہ خاں: فلسفہ تعلیم کا تعارف' ص ۳۰ (۴۰) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: نیا نظام تعلیم' ص ۳۸ (۴۱) محمد بختیار صدیقی: مسلمانوں کی تعلیمی فکر کا ارتقا' ص ۱۶ (۴۲) محمد ادریس کاندھلوی: مسئلہ تعلیم' ص ۱۹ (۴۳) محمد یٰسین شیخ: عہد نبوی کا تعلیمی نظام' ص ۷۰ (۴۴) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: نظریہ تعلیم اور اسلام' ص ۱۲ (۴۵) سید محمد سلیم: دینی مدارس کے لئے نصاب نو کی تجاویز' ص ۷ (۴۶) نعیم صدیقی: رسول اللہ بحیثیت معلم' ص ۱۷ (۴۷) سید محمد سلیم: رسول اکرم ﷺ کا اسوہ تعلیمی ص ۱۸ (۴۸) امیر الہدیٰ: مسلمانوں کے علمی و ثقافتی کارنامے ص ۲۰ (۴۹) ابوالحسن علی ندوی: نبی رحمت ص ۲۹۶ (۵۰) پروفیسر رب نواز: آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد' ص ۱۳

(۵۱) اطہر مبارک پوری: خیرون القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت' ص ۱۲ (۵۲) عبدالسلام ندوی: اسوہ صحابہ' ص ۷۳ (۵۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ص ۲۹۱ (۵۴) شبلی نعمانی: مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم' ص ۸۹ (۵۵) اطہر مبارک پوری: خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت' ص ۳۳۸ (۵۶) فلپ کے حتی: ہسٹری آف دی عربی' ص ۴۱۰ (۵۷) عبدالرزاق کانپوری: نظام الملک طوسی' ص ۳۴۷ (۵۸) سید امیر علی: تاریخ اسلام' ص ۔۔۔ (۵۹) تاریخ فرشتہ' ن اول' ص ۱۱۴ (۶۰) میر خاوند شاہ: روضۃ الصفا' جلد اول' ص ۱۴۰ (۶۱) معین الدین عقیل: تحریک پاکستان کا تعلیمی پس منظر' ص ۱۱ (۶۲) این این لا: پروموشن آف لرننگ ان انڈیا' ص ۱۱۷ (۶۳) محمد امین زبیری: خواتین کی تعلیم (۶۴) سید محمد سلیم: مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات' ص ۲۳ (۶۵) شبلی نعمانی: المامون (۶۶) سید محمد سلیم: عہد اسلامی کے عظیم مدارس' ص ۲۵ (۶۷) سر سید احمد خان: آثار الصنادید' ص ۵۴ (۶۸) نور جہاں رشید: قدیم اسلامی مدارس' ص ۱۰۱ (۶۹) عبدالحمید صدیقی: مقالات تعلیم' ص ۱۸ (۷۰) محمد تقی عثمانی: ماہنامہ البلاغ' اگست ۲۰۰۱ ' ص ۵۸ (۷۱) سید محمد سلیم: مسلمان اساتذہ کا مثالی کردار' ص ۴۴ (۷۲) حبیب الرحمان شروانی: علماء سلف اور نابینا علماء' ص ۱۲ (۷۳) اشفاق احمد قاسمی: درس گاہ نبوی کے طلبہ' ص ۳ (۷۴) دعوہ اکیڈمی اسلام آباد: مسلمان طالب علم' ص ۲۴ (۷۵) سعید اختر پروفیسر: ہمارا نظام تعلیم' ص ۱۵ (۷۶) التوبہ ۹: ۱۲ (۷۷) ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت' ص ۱۱۲ (۷۸) محمد بدر عالم: ترجمان السنہ' جلد اول' ص ۴۷ (۷۹) پرویز ہودبھائی: ریاست اور تعلیم' ص ۱۵۱ (۸۰) محمد شجاع ناموس: آزاد قوم کا نظام تعلیم اور پاکستان' ص ۸۵ (۸۱) بختیار صدیقی: برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم' ص ۴۳ (۸۲) فاؤنڈیشن فار ایجوکیشن ڈویلپمنٹ دہلی: اسلامی نظام تعلیم کے خدوخال' ص ۷۵ (۸۳) مناظر احسن گیلانی: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت' جلد دوم' ص ۴۸ (۸۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد اول' ص ۸۳۷ (۸۵) ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت' جلد اول' ص ۲۵۴ (۸۶) ذاکر حسین: تعلیمی خطبات' ص ۱۱۳ (۸۷) سید محمد سلیم: ہمارے نظام تعلیم میں اصلاح کے تقاضے' ص ۱۵ (۸۸) رشید اختر ندوی: مسلمان اندلس میں' ص ۱۲۱ (۸۹) احمد شلبی: تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ' ص ۱۷۸/۱۷۹ (۹۰) سر جارج لارینٹ: ترکی' جلد ۲' ص ۱۳۷ (۹۱) ایس ایم جعفر: تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں' ص ۱۲ (۹۲) سید امیر علی: سپرٹ آف اسلام' ص ۳۵ (۹۳) سید محمد سلیم: اسلام کا نظام تعلیم' ص ۱۱۴ (۹۴) منصور اے قریشی: سم آسپیکٹس آف مسلم ایجوکیشن (انگریزی)' ص ۲۳ (۹۵) عبدالحمید صدیقی: لارڈ میکالے کا نظام تعلیم' ص ۷۰ (۹۶) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: اسلامی نظام تعلیم' ص ۱۸'۱۹ (۹۷) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: قوموں کے عروج و زوال پر علمی تحقیقات کا اثر' ص ۵۸ (۹۸) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: تنقیحات' ص ۲۲ (۹۹) سید محمد سلیم: عہد اسلامی کے عظیم مدارس' ص ۱۰ (۱۰۰) احمد شلبی: تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ' ص ۱۶ (۱۰۱) عبدالقیوم حقانی: ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال' ص ۱۴۸ (۱۰۲) عبدالباری ندوی: تجدید تعلیم و تبلیغ' ص ۷۹'۸۷ (۱۰۳) سید محمد سلیم: مسلمان مثالی اساتذہ اور مثالی طلبہ' ص ۳۹ (۱۰۴) محمد جاوید: ڈاکٹر اقبال اور طاہر قادری کے تعلیمی نظریات کا موازنہ' ص ۱۴۷ (۱۰۵) معین الدین عقیل: تحریک پاکستان کا تعلیمی پس منظر' ص ۱۳ (۱۰۶) گورڈن آر کراس: دی سائیکالوجی آف لرننگ' ص ۲۵۲ (۱۰۷) پرویز شای: ایجوکیشن ان سرچ آف فنڈامنٹلز' ص ۲۶۶'۲۹ (۱۰۸) رضی الدین صدیقی: تعلیم کا مسئلہ' ص ۱۰۷ (۱۰۹) پروفیسر سعید اختر: ہمارا نظام تعلیم' ص ۱۶ (۱۱۰) جان ڈیوی: اسکول اور سوسائٹی' ص ۵۲

باب نمبر:۱

تعلیم کیا ہے

باب نمبر:۱

تعلیم کیا ہے

تعلیم کا لفظ علم سے نکلا ہے' جس کے لغوی معنی واقفیت حاصل کرنا اور جاننا کے ہیں۔ گویا تعلیم ایسے عمل کا نام ہے جس سے طلبہ کو کچھ ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو وہ پہلے سے نہ جانتے ہوں۔ حصول تعلیم کا عمل ایک ایسی کوشش ہے کہ جس کے دوران انسان کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ گویا تعلیم قدم بہ قدم آگے بڑھنے کا نام ہے۔

کسی بھی قوم یا معاشرے کو بنانے یا سنوارنے میں تعلیم کی اہمیت وافادیت مسلمہ ہے۔ معاشرے کے افراد کی ذہنی واخلاقی تربیت اور تعمیر وسیرت وکردار میں شعبہ تعلیم مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ لوگوں کو ملی روایات ومذہبی عقائد وعبادات سے آگاہ کرنے اور اعلیٰ قومی مقاصد کے حصول کے لئے تعلیم ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تعلیم کے بغیر افراد کے اخلاق وکردار اور عقائد واعمال میں انقلاب پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

تعلیم ایک ذریعہ تعمیر

اسلامی تعلیمات کی رو سے تعلیم ایک سراسر ذریعہ تعمیر ہے کہ ایک انسان جو زیور تعلیم سے آراستہ ہے' اپنی ذہنی صلاحیتوں اور فکر وتحقیق کو انسانیت کی فلاح اور بہتری کے لیے استعمال کرے۔ نت نئی ایجادات کر کے خدمت کا فریضہ سرانجام دے اور ملک وقوم کو خوشحالی سے ہمکنار کرنے کی کوشش کرے۔ لہذا اس عظیم اور تعمیری مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ علم کا رشتہ خدائے واحد کی ذات سے جوڑا جائے۔ ہدایت ورہنمائی اس سے حاصل کی جائے۔

''تعلیم ذریعہ تعمیر'' کے عنوان کے تحت محمد صلاح الدین لکھتے ہیں کہ:

''تعلیم ذریعہ تعمیر ہے بلکہ تعمیر کا واحد ذریعہ وہی ہے۔ اگر ہم نے اپنے موجودہ نظام کو تعمیر واخلاق کے

اصولوں کی بنیاد پر استوار نہ کیا تو ہماری درس گاہیں چوروں، ڈاکوؤں، رشوت خوروں، جعلسازوں، فریب کار سیاست دانوں، دروغ گو حکمرانوں، تخریبی رجحانات پروان چڑھانے والے دانش وروں، کلاشنکوف برادر طالب علموں، بے مغز استادوں فتنہ پرور صحافیوں، خائن افسروں، خوانخوار مولویوں، بے ایمان تاجروں، بے رحم منشیات فروشوں، سفاک ڈاکٹروں کی فوج ظفر موج میں اضافہ کرتی چلی جائیں گی۔"

غرض تعلیم اگر ذریعہ تعمیر نہیں تو یہ ڈاکو کے ہاتھ میں بندوق دینے کے مترادف ہے۔ اور بندوق بردار ڈاکو سے کسی نیکی اور بھلائی کی توقع رکھنا حماقت ہے۔

حصول تعلیم کا مقصد (اسلام کی روشنی میں)

علم ایک ایسی روشنی ہے جس کا کام قلب وذہن کی تاریکیوں میں اجالے پھیلانا ہے۔ اسی روشنی سے انسان ایک طرف اپنی شناخت کرتا ہے تو دوسری طرف اشرف المخلوقات کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے انداز و اطوار بھی سیکھتا ہے۔ تعلیم حصول علم میں تسلسل کا نام ہے جس کے ذریعے انسان انفرادی اور معاشرتی میدانوں میں زندگی کی تہذیب کرتا ہے۔ تعلیم سے مذہب، سیاست، معیشت، تجارت، ثقافت، اور معاشرت کا ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت کی حیثیت سے اپنی تمام ہمہ گیریوں کے ساتھ تعلیم جیسے اہم شعبے کو بھی اپنے نصب العین سے ہم آہنگ کر کے اسے مکمل مقصدیت عطا کرتا ہے۔ تاکہ فرد اپنی ذات اور خدا کے قوانین کو جان کر اسلامی ریاست کا بہترین پرزہ بن جائے، گویا اسلام کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد فرد کی سیرت و کردار کی تشکیل کے ساتھ ساتھ ایک ایسا اجتماعی نظام تدوین کرنا ہے، جو انسانوں کو جانوروں کے دوسرے گروہوں سے ممتاز کرے اور انسان نظام کائنات میں خالق کے نائب کا کردار ادا کر سکے۔ اس عظیم تر کائناتی مقصد کے لئے ضروری ہے کہ عقیدے اور نظام تعلیم میں مکمل ھم آہنگی پائی جائے تاکہ تعلیم سے صحیح نتائج اخذ کئے جا سکیں۔ یہ نتائج اسی صورت میں حاصل کئے جا سکتے ہیں، جب تعلیم کی بنیادیں دو چیزوں پر استوار ہوں۔ ایک اسلامی عقیدے کو سمجھنے کا واحد ماخذ قرآن پاک اور دوسری حدیث نبوی ﷺ۔

چونکہ تعلیم کا مقصد اخلاق حسنہ کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر ہے، اس لئے قرآن وحدیث سے اکتساب فیض کئے بغیر صالح افراد کی تیاری مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی کتاب تعلیمی خطبات میں لکھتے ہیں کہ "اتنا تو سبھی جانتے ہیں کہ ہماری قومیت کی بنیاد اسلام ہے، اس لئے لازماً اسلام

کے دیئے ہوئے عقائد وتصورات میں گہرا اعتقاد پیدا کرنا تعلیم کا مرکزی مسئلہ ہونا چاہیے۔ یہ کام استادوں کا ہے‘ جو پہلے خود ان عقائد سے عملاً سرشار ہوں‘ پھر وہ اپنے طلبہ میں ایسے عقائد پیدا کریں جن کے سہارے ہر شخص ایک پاکستانی یا مسلمان پاکستانی کو دوسرے سے ممیز کر سکے۔“ اسی طرح ڈاکٹر عبدالرؤف اپنی کتاب ”جدید نفسیات“ میں رقمطراز ہیں کہ:

”مدرسہ کی تعلیم کا مقصد بچوں کو ایسی تربیت دینا ہے‘ جس سے ان میں مختلف علوم کے مبادیات سمجھنے‘ آئندہ زندگی میں کسی ہنر کو بطور معاش اختیار کرنے اور متمدن‘ با اخلاق اور خوش مزاج شہری بننے کا سلیقہ پیدا ہو۔“

بعض لوگ اپنے بچوں کو محض حصولِ رزق کی مشین بنانے کی خاطر اسکولوں‘ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھجواتے ہیں‘ ایسے افراد کے پیش نظر زندگی کا سارا مقصد روٹی کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بلاشبہ حصول رزق اور خوراک انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ لیکن اسے پوری زندگی کا مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس مقصد کو اپنا کر انسان محض معاشی حیوان ہی بنے گا‘ انسان ہرگز نہ بن سکے گا۔ زندگی بجائے خود ایک جامع اور وسیع حقیقت ہے اور تعلیم زندگی کی ہمہ گیریوں سے ہم آہنگ ہو کر حصول مقاصد کی راہ میں مشعل کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو خوشحال زندگی کے ساتھ انسانی سیرت و کردار کی تربیت کا ضامن بھی ہو‘ اس ضمن میں افضل حسین ”فن تعلیم و تربیت“ میں لکھتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد طلبہ کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے۔ ان کے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالنا اور انہیں ذہنی جسمانی علمی اور اخلاقی اعتبار سے بتدریج اس قابل بنانا کہ وہ اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔ کائنات میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف کریں۔ نیز انفرادی‘ عائلی اور اجتماعی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داریاں ان کے خالق و مالک کی طرف سے عائد ہوتی ہیں ان سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکیں۔“

تعلیم سے اتنے اچھے اور جامع نتائج اسی وقت حاصل کیے جا سکتے ہیں‘ جب قرآن وسنت کی روشنی میں نظام تعلیم کی تدوین کی جائے۔ سلسلۂ تعلیم میں عقائد ومبادیات کو شامل کیا جائے اور تدریس کے اطوار اسلامی اصولوں کے تناظر میں پرکھے جائیں۔ تعلیم میں عقیدہ و ایمان کی اہمیت کے بارے ڈاکٹر سید عبداللہ ”تعلیمی خطبات“ میں لکھتے ہیں کہ:

”عقیدہ یا ایمان جس پر ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کوئی توجہ نہیں دی جاتی‘ حالانکہ

اسی سے تعلیم کی ساری عمارت بلند ہوتی ہے اور اسی سے اچھا انسان بننے یا بنانے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اور سچ پوچھئے تو ہمارے نظام تعلیم میں اس معاملے میں بڑی خطرناک حد تک غیر جانبداری برتی جاتی ہے۔ بلکہ مخالفت اس حد تک کہ ایمان، اعتقاد اور دین کی بات تقریباً ممنوعات میں سے ہے۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ کے یہ الفاظ نہ صرف ایمان و عقیدہ کی ضرورت و اہمیت اجاگر کرتے ہیں بلکہ موجودہ نظام تعلیم کی خامیوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں یعنی عقیدہ کی کمزوری تمام شخصی و اجتماعی خصوصیات پر اثر انداز ہوئی ہے۔

مختصراً ایک مسلم معاشرے میں تعلیم کا مقصد کسی مجرد اشتراکی سرمایہ دارانہ یا منافقانہ معاشرے سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے تعلیم کا مقصد ایسی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہے جس کی زندگی اپنی ذات اور تمام مخلوق خدا کے لئے بہتری اور بھلائی کا نمونہ ہو اور جس کا وجود سینۂ کائنات پر "احسن تقویم" کا شاہکار لگے۔

باب نمبر: ۲

معلم کی حیثیت اور مرتبہ

باب نمبر: ۲

معلم کی حیثیت اور مرتبہ

مشہور حدیث مبارک ہے کہ۔

(اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپ ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلم کی حیثیت اور مرتبہ پیشہ ورانہ نکتۂ نظر سے بھی انتہائی بلند ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث کے مطابق آپ ﷺ معلم بنا کر بھیجے گئے تو گویا مسلمان استاد وراثت پیغمبری کا امین ٹھہرا۔ اتنے عظیم منصب اور مقام پر پہنچ کر ایک معلم کی ذمہ داریوں اور فرائض میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے اور اس منصب کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان استاد قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے زیر تعلیم و تربیت طلبہ کا دامن اخلاقی، مذہبی، ادبی، تعلیمی اور علمی نور سے بھر دے۔ انہیں اخلاق، کردار اور صداقت و دیانت کے زیور سے آراستہ کرے تاکہ وہ ملک وقوم کے لئے باعث رحمت ہوں اور ریاست کے بہترین شہری ثابت ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے معلّمی ایک نعمت اور اعزاز ہے، یہ فقط پیشہ نہیں بلکہ عبادت بھی ہے، ایک مقدس مشن ہے، جس کے تحت صالح نسلیں تیار کی جاتی ہیں۔ جس طرح ایک ماہر جوہری ہیرے کی تراش خراش کر کے اس کی پوشیدہ اور بہترین خصوصیات کو سامنے لاتا ہے اسی طرح ایک استاد اپنے طلبہ کی سیرت و کردار کی اصلاح کرتا ہے۔ استاد رہبر بھی ہے وہ طلبہ کے ذہنوں میں اخوت، بہادری، غیرت، محنت، جفاکشی، رواداری، محبت، ایمان اور بھائی چارے کے بیج بوتا ہے۔ استاد مشفق باپ ہے جو اپنے طلبہ کو تعلیم کے ساتھ ساتھ بلند اخلاق اور مثبت سوچ عطا کرتا ہے۔ استاد اعلیٰ اخلاق اور حسن عمل کا حسین نمونہ پیش کرتا ہے۔ آئیڈیل استاد جب بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے الفاظ موتیوں

اور پھولوں کی طرح جھڑتے ہیں۔ استاد عفو و درگزر کی تصویر ہے۔ اس کا تعلق معاشرے کے ذہین ترین طبقے سے ہے' جو مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لئے صالح افراد تیار کرتا ہے۔

مسلمان استاد ایک باغبان ہے جو گلستان کی نگرانی وحفاظت کرتا ہے اور ہر پودے کی انفرادیت برقرار رکھتا ہے اور ان پودوں (طلبہ) کو سال خوردہ کسان کی طرح موسموں کی شدت سے بچاتا ہے' اپنی سوچوں کا لہو پلا پلا کر ان کی آبیاری کرتا ہے اور جب اس پودے کی خوشبو دور دور تک پھیلتی ہے تو انجانا سا سکون واطمینان محسوس کرتا ہے اور شاید حقیقی مسرت اسی کا نام ہے جو استاد کو نصیب ہوتی ہے

مسلمان استاد اپنی کوششوں' محنتوں' کاوشوں اور جذبوں کی ستائش کا طلب گار نہیں ہوتا۔ وہ بے لوث خدمت کرتا ہے۔ اس کا مقصد تنخواہ کا حصول نہیں بلکہ مخلوق کی خدمت کے ذریعے اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ وہ طلبہ کی منفی سوچوں کو مثبت طرز فکر عطا کر کے معاشرے کو نیک' صالح اور دیانتدار افراد مہیا کرتا ہے وہ کسی لالچ کے بغیر کام کرتا ہے اس کی محنتوں اور کاوشوں کا مقصد نظریۂ اسلام اور تعمیری سوچ کی حامل نئی نسل وجود میں لانا ہے۔

استاد ایک تحریک ایک ادارہ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ طلبہ کی سیرت وکردار پر سب سے زیادہ اثر استاد کے رویے کا ہوتا ہے۔ طلبہ اپنے استاد کے لباس' گفتگو' اعمال اور مجموعی کردار کا بخوبی جائزہ لیتے رہتے ہیں اور اس ادارے سے بہت کچھ سیکھتے اور اپناتے رہتے ہیں۔ یہ معلم کا فرض ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور کردار کا مالک ہو اور طلبہ کی محبوب اور ہر دلعزیز شخصیت بن جائے۔ ایسا مہربان درخت جس کی چھاؤں میں تھکے ہوئے مسافر آرام وسکون حاصل کرتے ہیں۔ استاد بذات خود ایک تحریک اور ادارہ ہے جو طلبہ کو ایسی تربیت دیتا ہے کہ وہ عملی زندگی میں معاشرے کی ضروریات کو پورا کر سکیں اور ایک راست باز اور اعلیٰ سیرت کے حامل افراد بن کر زندگی بسر کریں۔

مسلمان استاد کا کام فقط اتنا نہیں کہ وہ نصابی کتب پڑھا دے یا چند سوالات کے جوابات رٹ رٹا کر امتحان پاس کرا دے بلکہ طلبہ میں حصولِ علم کے لئے تحقیق وجستجو پیدا کرنا اور اخلاق وکردار سنوارنا بھی اس کا فرض منصبی ہے۔ مسلمان استاد کو یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے زیر تعلیم افراد طالب علم اپنے والدین کی امیدوں کا مرکز ہوتے ہیں۔ والدین جب اپنے جگر گوشے کو کسی استاد کے سپرد کرتے ہیں

تو بہت سی امیدیں ان کے مستقبل سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اب یہ اس ادارے (استاد) کا کام ہے کہ وہ کس طرح طلبہ کو بگاڑنے یا سنوارے۔ ''فن تعلیم وتربیت'' میں افضل حسین رقمطراز ہیں کہ:

''جس طرح بیج میں درخت بننے کی پوری صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ صرف مناسب حالات اور ضروری امداد ملنی چاہیے' اسی طرح بچے میں بھی پروان چڑھنے کی پوری صلاحیت موجود ہوتی ہے' اس لئے اس کی اندرونی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور اس کی شخصیت کے مختلف (ذہنی' جسمانی' عملی' اخلاقی' جذباتی اور روحانی) پہلوؤں کو ہم آہنگی کے ساتھ پروان چڑھنے میں امداد کرنی چاہیے' وہ اپنی اندرونی تحریک سے خود پھلے پھولے گا۔'' چنانچہ مسلمان استاد کا اصل کام یہ ہے کہ وہ طلبہ کی اندرونی صلاحیتوں کو صحیح رخ پر ڈالے' نصابی دنیا اور عملی دنیا کے درمیان خلاء نہ پیدا ہونے دے۔ اور اپنے طلبہ کو نہ صرف مخصوص نصابی امتحان کے لئے بلکہ آخرت کے امتحان کے لیے بھی تیار کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ وہ نصابی کتب کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ طالب علم کی اسلامی شخصیت بنانے پر بھی بھرپور توجہ دے۔

''صاحب سیف وقلم'' کے صفحہ ۹ پر کریم بخش خالد' بہادر یار جنگ کے استاد علامہ اشرف شمسی کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

''علامہ شمسی کا طریقۂ تعلیم اور انداز تربیت بھی مروجہ طریقوں سے مختلف تھا' آپ کتاب پڑھانے سے زیادہ طالب علم کی شخصیت بنانے پر توجہ دیتے تھے۔ کالج آتے جاتے ہوئے گھوڑا گاڑی میں شاگرد کو ساتھ بٹھا لیتے اور تمام راستہ درس جاری رہتا' نواب محمد بہادر خان کو گرمیوں کی عین دوپہر' چلچلاتی دھوپ میں درس کا وقت دے رکھا تھا اور علامہ خود بھی دوپہر میں آرام نہیں فرماتے تھے۔''

ایسے عظیم اساتذہ نے ایسے تاریخ ساز افراد تیار کیے جنہوں نے آنے والی تاریخ مرتب کی۔ گویا مضبوط سیرت وکردار کے افراد تیار کرنا مسلمان استاد کا اصل فریضہ ہے۔ ایسے افراد جو حق کو حق جان کر اس کی پیروی کریں' جسے فرض جانیں اسے ادا کریں اور برائی کے لئے ان کے دل میں شدید نفرت اور نیکی کے لئے ٹھوس محبت پائی جائے۔ مختصراً یہ کہ معاشرے کے لئے غیرت مند باشعور اور باضمیر افراد تیار کرنا اسی ادارے کا کام ہے۔ جسے استاد کہتے ہیں۔ استاد کے منصب اور مرتبے کے متعلق خرم جاہ مراد ''احیائے اسلام اور معلم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''آپ کسی کی طرف نہ دیکھیں، کسی کی طرف نگاہ نہ اٹھائیں، آپ استاد ہیں اور تعلیم کے پورے نظام کا مرکز ومحور آپ ہیں، شاگرد آپ کے پاس آتا ہے۔ آپ اس کو جو چاہیں بتائیں۔ اسکول آپ کا ہے، آپ اس کو جس طرح چاہیں چلائیں، نصاب کی کتابیں آپ کے ہاتھ میں ہیں، آپ جس طرح چاہیں پڑھائیں۔ پڑھاتے آپ ہیں، آپ جو چاہیں پڑھائیں۔ آپ اگر اپنی ہمت اور ذمہ داری محسوس کرلیں، آپ کو اگر اپنے مقام سے آگہی ہو، آپ کو اگر شعور واحساس ہو کہ اسلامی انقلاب کے لئے تعلیم کے میدان میں کرنا کیا ہے تو آپ آنے والی نسل کی بے پناہ قوتوں کو اسلام کے لئے مسخر کر سکتے ہیں۔ اگر معلم کو اپنے منصب سے آگاہی ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ خود ایک تحریک ہے، ایک ادارہ ہے، ایک ایسا دانش کدہ ہے جو نسلیں سنوارتا ہے، انسان بناتا ہے، مقصد زندگی سمجھتا ہے اور علم وہنر سکھاتا ہے۔

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی اپنے مضمون ''عصر حاضر میں استاد اور شاگرد کا رشتہ'' کے تحت لکھتے ہیں ''مادیت سے جہاں ہماری اور بہت سی اخلاقی اور روحانی قدریں مصر کے حسن البناؒ شہید سے جب سوال کیا گیا کہ تعلیم کے بعد آپ کیا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور اس کے لئے کیا وسائل اختیار کریں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ:

استاد اور شاگرد کا تعلق

''میں داعی اور معلم بننا چاہتا ہوں دن کو سال کے اکثر ایام میں مصر کی نئی نسل کو تعلیم دوں گا۔ راتوں کو چھٹیوں کے ایام میں ان کے والدین کو دین کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ سعادت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اور زندگی کی مسرتیں کہاں دستیاب ہوں گی۔ اس غرض کے لئے ہر وہ وسیلہ اختیار کروں گا جو میرے بس میں ہوگا۔ تقریر سے، گفتگو سے، تالیف وتصنیف سے، کوچہ گردی بادیہ وپیمائی سے۔ الغرض ہر مؤثر ہتھیار سے مدد لوں گا۔''

مسلمان استاد کو اپنے پیشے کی اہمیت کا شعور ہونا چاہیے۔ اسے اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا پیشہ عطا کیا ہے جو اس نے پیغمبروں اور اپنے محبوب بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے کہ ایک ایسا پیشہ جو سراسر عبادت ہے۔ جس کے اندر اس کی فلاح اور نجات کا سامان موجود ہے اسے اپنے اخلاقی اور جسمانی صلاحیتیں اس عظیم مقصد میں صرف کردینی چاہئیں۔

سنوارنا اور ان کو ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہی کی قدرت میں ہے۔ سب محنتوں سے

اعلیٰ درجہ کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری ملک کی کارگزاری ہے۔ اگر بدقسمتی سے اس ملک (برصغیر پاک وہند) میں اس مبارک پیشے کی وہ قدر نہیں جو ہونی چاہیے۔''

علامہ اقبالؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

''معلم کا فرض تمام فرائض سے زیادہ مشکل اور اہم ہے کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی تمدن اور مذہبی نیکیوں کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام قسم کی ملکی ترقی کا سرچشمہ اس کی محنت ہے۔ پس تعلیم پیشہ اصحاب کے لئے ضروری ہے کہ اپنے پیشے کے تقدس اور بزرگی کے لحاظ سے اپنے طریق تعلیم کو اعلیٰ درجے کے علمی اصولوں پر قائم کریں۔''

استاد معمار قوم ہے۔ وہ انبیائے کرام کے مقدس پیشہ سے وابستہ ہے' اس کا کام نئی نسل کی تربیت اور انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کر کے معاشرے کے لئے صالح اور پاک سیرت افراد مہیا کرنا ہے۔ مسلمان استاد کو اپنے عظیم منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ:

''معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں کیونکہ آئندہ نسلیں کیوں برباد ہوئی ہیں۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ وہ رشتہ جو محبت و تعظیم کا رشتہ تھا' یہ رشتہ جو تعلق خاطر کا رشتہ تھا' کاروباری سطح پر آ گیا ہے جب ماحول مادیت سے متاثر ہو تو شاگرد کی منطق یہ ہوتی ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں اس لئے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں اور لیکچر سنوں۔ میں استاد کا مرہون منت نہیں ہوں۔ استاد بھی اس ماحول کی پیداوار ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اتنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کام کرنا ہے اور اس معین مدت کے ختم ہو جانے کے بعد طالب علموں کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں رہتا۔''

بعض اساتذہ اس زعم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کا رعب اور دبدبہ اس وقت قائم ہوگا جب وہ طلبہ سے سیدھے منہ بات نہ کریں گے' ان کے سوالات کو نظر انداز کر دیں گے' یا روکھا پھیکا' سا جواب دیں گے' ان کی مشکلات پر کوئی توجہ نہیں دیں گے۔ ایسا استاد بذات خود خواہ کتنا ہی قابل اور لائق کیوں نہ ہو' وہ طلبہ کے دل میں کبھی گھر نہ بنا سکے گا۔ دوسری طرف جو استاد طلبہ کے ساتھ شفقت اور محبت کا جذبہ رکھے گا۔ ان کی مشکلات اور تکالیف کو دور کرے گا' طلبہ اس سے جلد مانوس ہو جائیں گے اور اس کی بات دلچسپی سے سنیں گے۔ احیائے اسلام اور معلم کے صفحہ ۱۴ پر خرم مراد لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں استاد اور شاگرد کا ذاتی تعلق ہمیشہ سے بڑا اہم رہا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے تحت چار ہزار طلبہ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہ ہر طالب علم سے ربط رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں ہمیشہ سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس میں استاد اور شاگرد کے درمیان ذاتی تعلق رہا ہے۔ استاد' شاگرد کی ذات اور اس کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اور بڑی بڑی کلاسوں کے باوجود استاد صرف لیکچر دے کر نہ چلا جاتا تھا بلکہ اس انسانی مواد میں پوری دلچسپی لیتا تھا جس کی حیثیت اس کے لئے امانت کی تھی۔''

مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے ہر طالب علم سے اچھا رویہ رکھے تاکہ طلبہ اس کی باتوں کو دھیان سے سنیں۔ مختصر یہ کہ استاد اور شاگرد کے درمیان اجنبیت کا احساس ختم ہونا چاہیے۔

''بچوں کے ساتھ گزر بسر'' کے صفحہ نمبر ۳۶ پر مس ایڈتھ نائسر ایک معلم کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

''نویں اور دسویں جماعت کی لڑکیوں کے لئے ان کی انگریزی کی کلاس ہمیشہ دلچسپ ہوتی تھی۔ وہ طالبات کے شوق اور مشغلوں کی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ وہ بیتی ہوئی باتوں اور موجودہ مسائل پر ان سے لکھواتی اور ذہانت کے ساتھ ان چیزوں پر گفتگو کرتی تھیں۔ پس یہ تصور مشکل نہیں کہ لڑکیاں اس کی کھلم کھلا پرستش کرتی تھیں۔ کلاس کے بعد انہیں گھیرے رہتی تھیں' اور ممکن ہوتا تو انہیں گھر تک پہنچانے جاتی تھیں۔ وہ ہر ایک سے خلوص کا برتاؤ کرتی تھیں۔ شرمیلی بچیوں کے لئے جن کا شمار قطار کہیں نہیں ہوتا وہ کوشش کرتیں کہ چہرے پر ایک دوستانہ تبسم اور لبوں پر کوئی دلچسپ سوال ضرور موجود رہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ معلم کا نرم اور مشفقانہ رویہ ہی طلبہ کو پڑھائی میں دلچسپی لینے پر مجبور کرتا ہے۔

شاگرد کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے بارے میں مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے لڑکوں کے استاد عبدالصمد کو امام شافعی نے مندرجہ ذیل نصیحتیں کی تھیں۔

''ان کی تعلیم و تربیت سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ تم اپنے حالات کی اصلاح کرو کیونکہ ان کی لگام تمہارے منہ کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ خیر وہ ہے جس کو تم خیر بتاؤ گے۔ شر وہ ہے جس کو تم شر بتاؤ گے۔ ان کو فرائض سکھاؤ مگر جبر نہ کرو' ورنہ یہ تنگ آ جائیں گے۔ نہ زیادہ نرمی کرو ورنہ یہ چھوڑ بیٹھیں گے۔ فصیح اشعار سکھاؤ۔ صحیح احادیث سکھاؤ۔ معلومات کو خلط ملط مت کرو جب تک اول بات ذہین نشین نہ

ہو جائے دوسری بات ان کو نہ بتاؤ۔ زور زور سے مت چیخو، شور، سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔“

باب نمبر: ۳

موجودہ نظام تعلیم کی خامیاں

باب نمبر: ۳

موجودہ نظام تعلیم کی خامیاں

اگرچہ آج ترقی یافتہ معاشرے میں وسائل خوب صورت عمارات بڑی بڑی شاہراہوں کارخانوں اور موٹر گاڑیوں کی بہتات ہے، سکول کالج اور یونیورسٹیاں ہر بڑے شہر اور قصبہ میں موجود ہیں۔ انسان نے سائنسی ترقی میں چاند پر کمند ڈالنے کے بعد خلا کو تسخیر کرلیا ہے اور جدید ترین ذرائع ابلاغ ریڈیو اور ٹیلی ویژن انسانی اخلاق و کردار کو سنوارنے میں مصروف ہیں۔ مسجدوں اور مدرسوں میں بھی روحانی فیض کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی معاشرے سے دیانت داری ادب اور اخلاق نیک نیتی اور ضمیر و عزت جیسی اعلیٰ اقدار مفقود ہوتی جارہی ہیں جس کی بنیادی وجہ ہمارا ناقص نظام تعلیم ہے جو ہمارے نظریاتی اور قومی تقاضوں سے متصادم ہے۔ اپنے نظریات سے مخلص قوم ہی شاہراہ ترقی پر کامیابی کی منازل طے کرتی ہے خواہ یہ نظریہ معاشی ہو معاشرتی ہو یا دینی ہو۔ تعلیم کا مقصد ان نظریات کی پرورش کرنا ہے تاکہ ایسے ذہن تیار ہوں جو اپنے نظریات کے مطابق قومی کردار کی تشکیل میں حصہ لیں۔

انگریزوں کا ودیعت کردہ نظام تعلیم

ہمارا نظام تعلیم انگریزوں کا ودیعت کردہ ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب تعلیمات کے صفحہ نمبر ۲۳۶ پر موجودہ نظام تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"انگریزوں کو چونکہ ہماری تہذیب اور ہمارے اخلاق سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ وہ سارے مسلمان ہونے کو الٹا خطرناک سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے یہاں پر ایسا نظام تعلیم قائم کیا جو ہمارے ایمان کو کمزور کرنے والا، ہمارے عقائد کم از کم مشکوک بنا دینے والا اور ہماری نگاہوں سے خود اپنی تہذیب کو گرا دینے والا تھا۔ ان کا سیاسی مفاد ہی اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ ہمیں اسلام سے جس حد تک منحرف کرسکتے ہوں کریں لیکن اب پاکستان بننے کے بعد اور خود اپنی ایک آزاد مملکت ہاتھ میں لینے کے بعد

اگر ہم اس نظام تعلیم کو جاری رکھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دراصل خودکشی کر رہے ہیں۔"

قیام پاکستان سے بہت پہلے انگریزوں نے ہندستان کے لوگوں کے لیے ایک ایسا نظام تعلیم وضع کیا جس کی مدد سے انہیں ایسے افراد مہیا ہوسکیں جو ان کا کاروبار حکومت چلا سکیں۔ اس نظام تعلیم کا کوئی اعلیٰ مقصد ہی نہیں تھا۔ بلکہ انگریز کو ایسے افراد درکار تھے جو اچھے سیکریڑی کلرک یا ڈرائیور وغیرہ ثابت ہوسکیں۔ لارڈ میکالے کے مطابق اس نظام تعلیم کا مقصد ایسے تربیت یافتہ افراد کی تیاری تھا جو شکل سے ہندستان مگر عقل سے انگریز ہوں جو پیدائشی برصغیر کے ہوں مگر دل ودماغ اور سوچ کے لحاظ سے فرنگی ثابت ہوں گویا اس نظام تعلیم کا مقصد سیرت وکردار کی تشکیل نہ تھا بلکہ ایسے افراد مہیا کرنا تھا جو حکومتی مشینری کے وفادار پرزے ثابت ہوسکیں۔

طبقاتی نظام تعلیم

ہمارے ملک کا نظام تعلیم دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک خواص کے لئے ہے، دوسرا عوام کے لئے ان دونوں کا نظام تعلیم وضع عمارات اور ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے۔ پہلا طریق تعلیم گورنمنٹ سکولوں اور کالجوں کی صورت میں پورے ملک میں کام کر رہا ہے۔ دوسرا طریق تعلیم نجی ملکیت میں نرسری اور انگلش میڈیم سکولوں پر مشتمل ہے۔ یہاں سے فارغ ہونے والے ترقی یافتہ مہذب اور معزز شہری کی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا ایک مخصوص مزاج ہے۔ اور یہی لوگ اعلیٰ ملازمتوں اور مقابلے کے امتحانوں میں کامیابی کے حقدار سمجھے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں نظام ہائے تعلیم کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ذہنی طور پر دو متصادم گروہ وجود میں لائے جا رہے ہیں۔ جن کی تعلیم زبان اور لباس ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ خرم مراد اپنی کتاب ''احیائے اسلام اور معلم'' کے صفحہ نمبر ۳۰ پر لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے روایتی نظام تعلیم سے محروم کرنے کے بعد مغرب نے یہ نہیں کیا کہ اسی پیمانے پر کوئی متبادل اور اچھا مغربی نظام تعلیم فراہم کیا ہو۔ بلکہ اس نے دو اور کاری ضربیں لگائیں۔ ایک طرف ایک محدود اور نامکمل مغربی نظام تعلیم درآمد کیا۔ جو ہر لحاظ سے نہ صرف مسلمان کے لئے اجنبی تھا بلکہ اس کی اقدار اور روایات کی جڑیں کھوکھلی کرنے والا تھا۔ اور دوسری طرف ایک بیرونی اور مغربی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا۔ وجہ یہ نہ تھی کہ ہمارا نظام پرانا ہوچکا تھا اور ہمیں جدید تعلیم سے بہرہ ور کرنا مقصود تھا۔ مقصد یہ بھی نہ تھا کہ تعلیم کو عام کیا جائے بلکہ یہ تھا کہ تعلیم کمیاب اور نایاب ہوکر رہ جائے جس سے بس ایک محدود تعداد

ہی فائدہ اٹھا سکے۔ صرف اتنی تعداد کو تعلیم دی جائے جو تسلط کی مشینری کو چلانے کے لئے ضروری ہو اور اس حد تک تعلیم جو اس مشینری کو نچلی سطح تک کے لئے کل پرزے فراہم کر دے۔

اعلیٰ مقاصد کا فقدان

اس نظام تعلیم میں افراد کے سامنے کوئی اعلیٰ مقاصد یا قومی سوچ نہیں ہے۔ سید محمد سلیم لکھتے ہیں کہ:

"پاکستان کی ساری مصیبتوں کا سرچشمہ لارڈ میکالے کا قائم کردہ نظام تعلیم ہے۔ ڈیڑھ سو سال سے اس پر عمل ہو رہا ہے۔ نسلوں کی نسلیں اسی کے تحت پروان چڑھی ہیں۔ ان کی شخصیت ذہنیت اور مزاج اسی نظام کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اس کے حسن و قبح کی ذمہ داری اس نظام پر عائد ہوتی ہے۔ جدید نسل دین سے عاری ہے۔ اخلاق سے بیگانہ ہے۔ حب وطن سے نہ آشنا ہے۔ جب علم سے ناواقف ہے انسانیت کے اعلیٰ اور اشرف نمونوں کی جھلک اور بو باس بھی ان کے اندر نہیں پائی جاتی ہے۔ عمل کے لیے کوئی جذبہ کوئی محرک نہیں بجز طلب زر اور عادی منافع کے ان میں کوئی یونانی پیدا نہ ہو سکا جو علم کی اشاعت اور حق پرستی کی خاطر زہر کا پیالہ پی لیتا۔ ان میں کوئی جرمن پیدا نہیں ہوا جو محنت و مشقت میں دن رات ایک کر دیتا ان کے اندر عظمت اسلام اور رضائے الٰہی کا جذبہ مفقود ہے۔ جب یہ نہیں تو ابو حنیفہ" 'غزالی" ' رومی" یا شاہ ولی اللہ کہاں پیدا ہو سکتے ہیں۔ جب عزت و ناموس اور غیرت قومی نہیں ہے تو احمد شہید تو دور کی بات ہے سرسید احمد خان بھی ان کے اندر کہاں پیدا ہو سکتے ہیں۔"

ہماری موجودہ درس گاہوں کے ماحول اور نظام تعلیم پر ایک نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے کالجز اور یونیورسٹیاں مغربی درس گاہوں کا چربہ ہیں۔ سچ کہا تھا قائداعظم نے "ہمارے نظام تعلیم میں عرفان خدا نہیں۔ خدا کا تصور نہیں اور منزل مقصود کا تعین نہیں اور معنوی بصیرت کا سرے سے فقدان ہے۔

اخلاقیات سے عاری نظام تعلیم

انسانی معاشرے میں سیرت و اخلاق کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اور کسی بھی معاشرے میں افراد کے اخلاق کی تشکیل کا فریضہ نظام تعلیم سرانجام دیتا ہے۔ افراد کے اندر دیانت و امانت' راستبازی و فرض

شناسی ملک وقوم سے وفاداری اور خدمت خلق کے جذبات کو نظام تعلیم پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن موجودہ نظام تعلیم' افراد کے اندر یہ بنیادی خوبیاں پیدا کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔

''یہ تعلیم خدا پرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے مگر غضب یہ ہے کہ وہ ہمارے ہاں کے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاقیات تک پیدا نہیں کرتی جن کے بغیر کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔ اس کے زیر اثر پرورش پا کر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاء اللہ پوری طرح آراستہ ہیں مگر ان کی خوبیوں کی چھینٹ تک ان پر نہیں پڑی۔ ان میں نہ فرض شناسی ہے' نہ مستعدی و جفاکشی' نہ ضبط اوقات نہ صبر و ثبات و عزم و استقلال' نہ باقاعدگی و باضابطگی نہ ضبط نفس نہ اپنی ذات سے بالاتر کسی چیز کی وفاداری۔ وہ بالکل خودرو درختوں کی طرح ہیں جنہیں دیکھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان کا کوئی قومی کیریکٹر بھی ہے۔ ان کو معزز پوزیشن میں ہو کر بھی کسی ذلیل سے ذلیل بددیانتی اور بدکرداری کے ارتکاب میں دریغ نہیں ہوتا۔ ان میں بدترین قسم کے رشوت خور خویش پرور' سفارشیں کرنے اور سننے والے' بلیک مارکیٹنگ کرنے اور کرانے والے' ناجائز درآمد برآمد کرنے اور کرانے والے' انصاف اور قانون اور ضابطے کا خون کرنے والے' فرائض سے جی چرانے اور لوگوں کے حقوق پر چھری چلانے والے اور اپنے ذرہ سے مفاد پر اپنی پوری قوم کے مفاد اور اخلاق کو قربان کر دینے والے ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہر شعبہ زندگی میں ہر جگہ آپ کو کام کرتے نظر آئیں گے۔ انگریز کے ہٹ جانے کے بعد مملکت کو چلانے کی ذمہ داری کا بار اسی تعلیم کے تیار کئے ہوئے لوگوں نے سنبھالا ہے اور چار پانچ سال کے اندر ان بے سیرت کارکنوں کے ہاتھوں ملک کا جو حال ہوا ہے وہ آپ سب دیکھ رہے ہیں اور جو نسل اب ان تعلیم گاہوں میں پرورش پا رہی ہے' اس کے اخلاق و کردار کا حال آپ جب چاہیں درس گاہوں میں ہوسٹلوں میں تفریح گاہوں میں اور قومی تقریبات کے موقع پر بازاروں میں دیکھ سکتے ہیں۔'' (تعلیمات صفحہ ۱۳۳' ۱۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی تعلیم سے خالی اس نظام کی وجہ سے کسی تعلق میں پائیداری نہیں رہی۔ نہ رشتہ داری میں نہ اولاد میں' نہ والدین میں نہ دوستی میں۔ یہ تعلیم اپنے دامن میں بداخلاقی' بدتہذیبی اور خود غرضی کے تحفے لاتی ہے۔ موجودہ نظام تعلیم نے فارغ ہونے والے افراد کے مقصد زندگی میں بس'

گاڑی، بینک، بیلنس، بنگلہ، ہوائی جہاز کا سفر پرتکلف ماحول اور مرغن کھانے شامل ہیں۔ اس نظام تعلیم نے تخریب کار بدتہذیب ضدی ہٹ دھرم سازشی اور جہیز کے لالچی افراد مہیا کیے ہیں۔

تعلیم برائے حصول روزگار

موجودہ نظام تعلیم میں طلبہ کا اصل مقصد نوکری کا حصول اور مادی مفادات کا تحفظ ہے۔ یہ نظام تعلیم افراد کو مادہ پرست بنانے میں مصروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کو ڈاکٹر، انجینئر دیکھنے کے خواہشمند ہیں، اور اس خواہش میں انسانیت کی خدمت یا وطن کی خدمت کا جذبہ نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ مادی وسائل کے حصول کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

اس نظام تعلیم میں تعلیم برائے حصول روزگار ایک روایت بن گئی ہے۔ اب تک لاکھوں ڈاکٹر انجینئر بنے لیکن وہ عوام کو لوٹنے اپنی جیبیں بھرنے اور بنگلے کوٹھیوں کے مالک بن جانے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔ غرض اس نظام تعلیم کے تحت پروان چڑھنے والی سوچ اپنی ذات تک محدود رہ جاتی ہے اور انسان تعلیم کا اپنی ضروریات اور تعیشات سے بالاتر کوئی اعلیٰ مقصد نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم قومی سوچ اور قومی تشخص کو ابھارنے میں ناکام رہا ہے۔

پروفیسر سید محمد سلیمؒ ''تعلیمی انحطاط کے اسباب'' کے صفحہ ۲۹ پر رقمطراز ہیں کہ ''اسلام نے ہزار سال میں جائز و ناجائز، حلال و حرام، حق و ناحق، صحیح و فاسد، شائستہ و ناشائستہ کے درمیان جو حد قائم کی تھی، جو خط کھینچا تھا وہ اس تعلیم نے مٹا دیا۔ اب معیار یہ ٹھہرا کہ نفع آور کام کرو خواہ اس سے افراد تباہ ہوں، معاشرہ تباہ ہو جائے۔ خواہ ملک کو نقصان پہنچے یا ملت کے حصار میں رخنہ پیدا ہو جائے۔ اس کی کچھ پروا نہیں۔''

ذریعہ تعلیم کا مسئلہ

موجودہ نظام تعلیم میں معیار تعلیم کے پست ہونے کی ایک وجہ غیر ملکی زبان انگریزی کا ذریعہ تعلیم ہونا بھی ہے۔ یہ زبان ہمارے نوجوانوں کی صلاحیتوں کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہے۔ بہرحال لاکھوں طلبہ انگریزی کے ہاتھوں امتحان میں فیل ہو کر تعلیم سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انگریزی زبان قوم کے نوجوانوں کی فطری صلاحیتوں پر مسلط ہے اور ابلاغ

کے عمل میں بڑی رکاوٹ ہے۔ پاکستان کے ملی اور نظریاتی تقاضوں سے متصادم ہے اور قومی ضروریات پورا کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ نفسیاتی طور پر جب اجنبی اور غیر مانوس زبان میں کوئی مضمون پڑھا جاتا ہے تو ذہنی صلاحیتیں نفس مضمون کی بجائے اس زبان کے مشکل الفاظ میں الجھ جاتی ہیں اور اگر کوئی طالب علم زبان سیکھ بھی لے تو مکمل عبور نہ ہونے کی وجہ سے مختلف الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس زبان میں تحقیقی کام کرنے سے گریز کرتا ہے۔

"قومی تعمیر و ترقی کے لئے اردو زبان کا نفاذ ضروری ہے" کے عنوان کے تحت نعمانہ غوری لکھتی ہیں کہ "پاکستانی قوم کا المیہ ہے کہ وہ اپنی ایک انقلابی اور زرخیز زبان کے موجود ہونے کے باوجود اغیار کی انگریزی زبان پر انحصار کر رہی ہے۔ ہمارے سرکاری و نیم سرکاری دفاتر، تجارتی مراکز، اہم تعلیمی اداروں سکولوں کالجوں اور یونیورسٹی میں انگریزی کا راج ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پاکستان کو انگریزی زبان کی تبلیغ کا کام سونپ دیا گیا ہے۔ انگریزی زبان کی مخالفت کا یہ سبب نہیں کہ یہ اچھی زبان نہیں ہے اور اسے پڑھا لکھا اور سیکھا نہ جائے بلکہ مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے تعلیمی نظام کو بہتر اور عام فہم بنانے میں یہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نتائج سے پاکستان کے معیار تعلیم کے زوال کے اسباب آسانی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔"

ذریعہ تعلیم کا غیر ملکی زبان میں ہونا اس نظام تعلیم کی ایک بنیادی خامی ہے۔ قومی زبان کے ہوتے کسی ملک کے نظام تعلیم کو غیر ملکی زبان میں چلانا اور سوڈیڑھ سو برسوں تک مسلسل چلاتے رہنا، قوم کی تعلیمی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ پروفیسر محمد عثمان "ہماری تعلیم اور انگریزی زبان" کے تحت لکھتے ہیں کہ "ہر سال بورڈوں اور یونیورسٹیوں کے نتائج پکار پکار کر کہتے ہیں کہ خدارا بچوں کو کوئی زبان عطا کیجیئے۔ انہیں بے زبان ہونے کی اذیت سے نکالیئے۔ ورنہ صورت حال میں کوئی بہتری نہیں ہوگی۔ چونکہ اس وقت بچوں کو کوئی زبان نہیں سکھائی جا رہی ہے لہٰذا اکثریت نے اپنے دماغوں سے کام لینا چھوڑ رکھا ہے۔ ایسے میں دماغوں سے کام لے بھی کیونکر سکتے ہیں۔"

پھر ہماری قومی زبان اردو کا دامن اتنا وسیع ہے کہ نہ صرف اس نے بہت سی بین الاقوامی زبانوں کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے بلکہ اقوام متحدہ کے شعبہ لسانیات کی رو سے اردو دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں ایک بڑے جلسہ عام

سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''میں واضح الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔ جو شخص آپ کو اس سلسلے میں غلط راستے پر ڈالنا چاہتا ہے وہ پاکستان کا پکا دشمن ہے۔ ایک مشترکہ قومی زبان کے بغیر کوئی قوم نہ تو پوری طرح متحد رہ سکتی ہے اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔''

ابلاغ کے عمل میں رکاوٹ

اردو ذریعہ تعلیم کی اہمیت اس طرح بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ طبیعیا میں ایک ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں لیکچر دیا۔ اور آخر میں سوالات کے لئے وقفہ رکھا گیا۔ لیکن کسی طالب علم نے کوئی سوال نہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے وہی لیکچر اردو میں دہرا دیا اور پھر سوالات کے لئے کہا۔ اس طرح بہت سے طلبہ نے سوالات کیے۔ گویا پہلے طلبہ اس لئے خاموش تھے کہ لیکچر کے نشیب و فراز اور اہمیت کو سمجھے نہ تھے، اردو میں لیکچر سننے کے بعد اگر چہ ان کی تشنگی پوری ہوگئی۔ مگر سوالات کے بعد وہ مکمل طور پر مطمئن ہو گئے۔

اردو ذریعہ تعلیم سے طالب علم ایک بات پندرہ منٹ میں سمجھ لیتا ہے جبکہ انگریزی میں وہی بات دو گھنٹے بعد اس کی سمجھ میں آتی ہے۔ اردو ذریعہ تعلیم سے طالب علم نہ صرف ڈکشنری کی کوفت سے بچتا ہے بلکہ وہ جلد ہی اصل مضمون کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی طالب علم خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو ایک غیر ملکی زبان انگریزی پر عبور نہ رکھنے کی وجہ سے سلسلہ تعلیم میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ امتحانات میں کتنے ہی طالب علم ایسے ہیں جو انگریزی کے ہاتھوں اپنے تابناک مستقبل سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اگر ان طلبہ و طالبات کی تعداد کا کوئی اندازہ کرنا چاہے تو سالانہ رزلٹ اٹھا کر دیکھے کہ کس طرح معصوم طلبہ و طالبات کی امیدوں پر پانی پھیرا جاتا ہے۔

پروفیسر محمد عثمان ''ہماری تعلیم اور انگریزی زبان'' کے تحت لکھتے ہیں کہ ''میٹرک ہو یا انٹر یا ڈگری جو انگریزی میں فیل، وہ فیل...... پڑھنا بھی سب پر لازم، پاس ہونا بھی سب پر لازم، اللہ اللہ کیا ضد ہے! اور اس کی بدولت برسوں سے جو نتائج سامنے آرہے ہیں ان کو برداشت کرنا اس قوم کا دل گردہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سو امیدواروں میں سے جو ۸۰ فیصد فیل ہوتے ہیں وہ سب انگریزی میں

ضرور فیل ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی انگریزی مضمون ہے۔ اس صورت حال کا علاج یہ ہے کہ انگریزی زبان کو ثانوی حیثیت دی جائے۔ جو طلباء اختیاری مضمون کی حیثیت سے اسے پڑھنا چاہیں وہی اسے پڑھیں۔ سب کے لئے یہ لازمی نہ ہو۔ جو طلبہ خود انتخاب کر کے اسے بطور اختیاری مضمون پڑھیں گے یقیناً وہ اچھے نمبر بھی لیں گے۔ علاوہ ازیں سائنسی مضامین کی تدریس کے لئے ضروری ہے کہ تمام مضامین کے تراجم اپنی زبان میں کیے جائیں اور اگر اصطلاحات انگریزی میں ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

باب نمبر:۴

موجودہ نظام تعلیم میں اساتذہ کی حالت زار

باب نمبر:۴

موجودہ نظام تعلیم میں اساتذہ کی حالت زار

ہر قوم کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے افراد اور خصوصاً نئی نسل کا مستقبل شاندار اور تابناک ہو۔ وہ محنتی اور صالح افکار و نظریات کی حامل ہو، تہذیب و تمدن ثقافت، رسم و رواج اور زبان کی محافظ ہو، مستقبل کی معمار اور رہنما ہو، اعلیٰ اخلاق اور بہترین سیرت و کردار سے آراستہ ہو اور محنت، دیانت اور شجاعت میں اپنی مثال آپ ہو۔ نئی نسل میں یہ تمام خوبیاں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب انہیں تعلیم و تربیت دینے والے اساتذہ باکردار اور صالح افراد ہوں۔ اگرچہ نئی نسل کی تربیت میں حکومت، معاشرہ، والدین، نظام تعلیم بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن سب سے اہم فریضہ اساتذہ سرانجام دیتے ہیں۔ نظام تعلیم میں اساتذہ کے کردار کی اہمیت کے بارے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص بھی تعلیم کے معاملے میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہے، وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ نظام تعلیم میں نصاب اور اس سے بڑھ کر استاد اور اس کا کیریکٹر اور کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ فاسد العقیدہ اور فاسد الاخلاق استاد اپنے شاگردوں کو ہرگز ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں دے سکتے، جو اسلامی نظام تعلیم کو مطلوب ہے۔ دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی میں بگڑے ہوئے کارکن کے ہاتھ میں ہو تو وہ آیندہ نسل کا بھی ناس مار دیتے ہیں۔ جس کے بعد مستقبل میں بھی کسی اصلاح و فلاح کی امید باقی نہیں رہتی۔'' آیئے دیکھیں کہ موجودہ نظام تعلیم، نصاب تعلیم اور معیار تعلیم میں اساتذہ کا کردار کیا ہے؟

معیار تعلیم کی پستی

معیار تعلیم کی پستی کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ استاد بھی ہے، معلمین کے کلاس میں دیر سے پہنچنے، لیکچر تیار کر کے نہ آنے اور پورا پیریڈ گپ شپ میں گزارنے سے معیار تعلیم پست نہ ہو تو اور کیا ہو۔ پرچہ آؤٹ کرنے، کلرک سے بات کر کے اپنے مضمون میں کم لڑکے بھرتی کروانے یا کلاس میں

کم پڑھا کر طلبہ کو ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرنے والے اساتذہ نہ صرف معیار تعلیم بلکہ طلبہ کے اخلاق کو بھی پست کر رہے ہیں۔

امتحانات کے نتائج اور اساتذہ

ہائی سکولوں کے کچھ اساتذہ ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو طالب علموں کو نہ صرف نقل پر آمادہ کرتے ہیں بلکہ امتحانات کے دوران انہیں نقلیں بھی فراہم کرتے ہیں۔ امتحانی مراکز کے باہر اساتذہ ہی کا مجمع ہوتا ہے کہ کسی طرح سوالات کا پتہ چلے اور وہ سوال کا جواب اندر بھیجیں۔ یہ ان کی پیشہ ورانہ بددیانتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نصابی کتب پڑھانے کی بجائے طلبہ کو نقل کے طریقے سمجھانے والے، امتحانات کے دوران سفارشیں کرنے اور سننے والے اور امتحان کی ڈیوٹی لگوا کر بھاری رشوتیں وصول کر کے پورے سال کی کسر نکالنے والے استاد تو ہو سکتے ہیں مگر مسلمان استاد کہلانے کے ہرگز ہرگز مستحق نہیں ہیں۔ ایسے اساتذہ کو کوئی یہ حقیقت کیوں کر دل کھول کر سمجھائے کہ قوم کے نونہالوں میں بددیانتی کے بیج بونا کتنا بڑا گناہ ہے اور طلبہ کو نقل سے امتحان پاس کروا کے نتائج کو بہتر بنانا ایک سنگین اخلاقی جرم بھی ہے۔

نوجوانوں کی مذہب سے بیگانگی کی وجہ

سکولوں کے بعض اساتذہ ہر وقت آنکھیں ماتھے پر لگائے رکھتے ہیں۔ طلبہ کو گھورنا، گالی گلوچ دینا، جھڑکنا، ڈانٹنا، بات بات پر چیخنا اور برے القاب سے پکارنا عام معمول بن گیا ہے۔ جب استاد اخلاق اور حسن عمل کا نمونہ پیش نہ کرے تو طالب علم اخلاقیات کا سبق کہاں سے سیکھے، اساتذہ کی بے توجہی نے بہت سے طلبہ کو اخلاق اور مذہب سے بیگانہ کر دیا ہے۔ تعلیمی اداروں میں کلاسوں کے دوران اکثر اساتذہ کو کرکٹ کی رننگ کمنٹری سنتے دیکھا گیا ہے۔ جبکہ خواتین اساتذہ کا کلاس کے دوران کھانا پینا یا سویٹر بنتے رہنا کوئی نئی بات نہیں۔ دیہات کے اساتذہ کا گھروں سے لسی، انڈے اور سبزیاں منگوانا عام معمولی بات ہے۔ یہ سب کام اساتذہ کے فریضۂ تعلیم و تدریس اور تربیت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اساتذہ طلبہ کی تعلیم و تشکیل سیرت پر کم توجہ دیتے ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ مذہب اور اخلاقی اقدار سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اساتذہ کا طلبہ کی تعلیم وتربیت سے غفلت برتنا قابل افسوس بات ہے لیکن بعض اساتذہ کا طلبہ کے ذہنوں میں غیر اخلاقی نظریات پیدا کرنا اور بھی زیادہ افسوس کی بات ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''ہماری درس گاہوں میں آج ایسے اساتذہ موجود ہیں جو دن رات طلبہ کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ شب وروز ان کے دلوں میں یہ عقیدہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کی کوئی تہذیب نہیں ہے۔ اسلام کا کوئی تمدن نہیں ہے۔ اسلام کے کوئی سیاسی اصول نہیں ہیں۔ اسلام کے معاشی اصول اگر کچھ ہیں بھی تو وہ اس زمانے میں نہیں چل سکتے۔ اسلام کے قوانین بالکل دقیانوسی ہیں جو اس ترقی یافتہ دور کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔ تاریخ میں مسلمانوں کا کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں ہے۔ جتنے بھی ہیرو دنیا میں گزرے ہیں، سب غیر مسلم تھے، میں صاف کہتا ہوں کہ جو استاد ہماری درسگاہوں میں ہمارے نوجوانوں کو سبق پڑھا رہے ہیں اور ان کے دماغوں میں یہ فاسد خیالات بھر رہے ہیں ان سے بڑھ کر عالم اسلام اور ملت اسلامی کا غدار کوئی نہیں۔ یہ اس ملک کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے والے لوگ ہیں اور بدقسمت ہے وہ قوم، جس کی نئی نسل اس طرح کے استادوں کی تعلیم سے پروان چڑھ رہی ہو۔''

۴۔ نصاب کی خامیاں

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نصاب کے خشک الفاظ کو تر وتازگی بشاشت اور زندگی دینے والا استاد ہی ہے۔ اگر نصاب میں کہیں کوئی خامی یا کمی ہے تو معلم کا فرض ہے کہ طلبہ کی صحیح رہنمائی کرتے تا کہ انہیں گائیڈوں، خلاصوں اور گیس پیپرز کی عادت نہ پڑے۔ نصابی غلطیوں کی نشاندہی اور اصلاحی معلمین کا اہم فریضہ ہے اور اس کے لئے منظم کوششیں ہی کامیاب ہو سکتی ہیں۔ ہر معلم کا فرض ہے کہ وہ نصاب کی خامیوں کو دور کرنے میں تجاویز فراہم کرے۔

۵۔ طلبہ کی اخلاقی باختگی

اگرچہ نئی نسل کی اخلاق باختگی اور بے راہ روی کی ذمہ داری تعلیمی ماحول خاندان بلکہ پورے معاشرے پر ڈالی جا سکتی ہے لیکن اگر استاد بھی کلاس میں اخلاق کی بات نہ کرے، والدین کا احترام نہ سکھائے، سلام میں پہل نہ کرے تو طلبہ میں اخلاق کہاں سے پیدا ہوگا؟ استاد کا عمل اور رویہ بہترین مدرس

ہوا کرتا ہے۔ راقم کو یاد ہے کہ پرائمری سکول کے ایک استاد نے اپنے طالب علم کو ذاتی گلاس دینے سے انکار کر دیا کہ یہ جھوٹا ہو جائے گا۔ بھلا جس شاگرد کا استاد پانی پینے کا گلاس دنیا گوارا نہیں کرتا' کیا وہ شاگرد زندگی بھر کسی کو معمولی سے معمولی چیز دے گا؟ اگر معلم اپنی انانیت اور چڑچڑے پن کو ترک نہ کرے تو طلبہ ان سے دور رہنا پسند کرتے ہیں اور یوں ان میں تخریب کاری' حسد لالچ اور سستی و کاہلی کے جراثیم جنم لیتے ہیں۔

۶۔ استاد اور شاگرد کا تعلق

استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے طلبہ کے ساتھ ذاتی ربط رکھے اور ان کے مسائل سے آگاہ رہے لیکن اساتذہ کو گریڈوں کے چکر' میڈیکل بلوں کے معاملات اور باہمی گپ شپ سے فرصت ملے تو وہ طلبہ کی اخلاقی' تعلیمی اور مذہبی رہنمائی کریں۔ اگر کوئی طالب علم غلطی کرتا ہے' کسی کی نقل اتارتا ہے' درسگاہ میں جھگڑتا ہے یا بدتمیزی کرتا ہے تو استاد کو چاہیے کہ اسے علیحدہ بلا کر نرمی سے سمجھائے لیکن عام طور پر اساتذہ ایسا کرنے کی بجائے مار پیٹ اور غصہ سے شاگردوں کو اور بھی متنفر کر دیتے ہیں۔

۷۔ استاد کی عظمت اور حیثیت

استاد کی عظمت اسی میں ہے کہ وہ طلبہ کو مقصد زندگی سمجھائے' ان کی سیرت اور کردار کی تشکیل کرتے تاکہ وہ ریاست کے بہترین شہری بن سکیں لیکن جب استاد کا عمل' گفتگو اور کردار سب معلمی کے معیار پر پورا نہ اتریں گے تو بھلا استاد کیسا؟ اس کا مقام و عظمت کیسی اور مرتبہ کیسا؟ اگر معلم اپنے فریضے کو دیانتداری سے سرانجام دے رہا ہے تو اسے اس بات کا غم نہ ہونا چاہیے کہ اس کی حیثیت اور مقام کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اللہ کے ہاں اسے پورا پورا اجر ملے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿واللہ لایضیع اجر المؤمنین﴾

ترجمہ: اللہ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا

اسے صرف محنت اور تندہی سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔

ٹیوشن سنٹرز اور خلاصوں کا استعمال

آج بدقسمتی سے والدین اور اساتذہ دونوں اپنے فرائض سے غفلت برت رہے ہیں وہ خود کو

نہ اپنے ضمیر کے سامنے جوابدہ سمجھتے ہیں نہ اپنے خالق جل شانہ کے سامنے۔ اساتذہ کی حالت یہ ہے کہ طالب علم چھ گھنٹے سکول کی فضا میں رہ کر بھی علم وتربیت سے تہی دست واپس لوٹ جاتا ہے۔ اساتذہ کی لاپرواہی طلبہ کو غلط راہوں پر بھٹکا رہی ہے۔ یہ اساتذہ کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ مارکیٹ میں دن رات خلاصے اور گائیڈیں شائع ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ پیشہ آج کل ایک سودمند کاروبار کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ٹیوشن سنٹر اور کوچنگ سنٹرز میں طلبہ اسی لئے جاتے ہیں کہ انہیں سکول کے اساتذہ کچھ نہیں پڑھاتے اور یہ اساتذہ کی ناکامی نہیں تو اور کیا ہے کہ نہ طالب علم ہنر سیکھتا ہے اور نہ اخلاقیات۔ وہ سکول وکالج سے ناکام ونامراد گھر آتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

باب نمبر:۵

معلّمی اہم فریضہ اور مشن

معلّمی ایک اہم فریضہ اور مشن ہے

مشن کیا ہے؟

مشن انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا مدعا اس ''مقصد'' سے لیا جاتا ہے جس کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہو۔ حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے مطالعے سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ایک مشن کی تکمیل کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اس مشن کے حصول کے لئے آپ ﷺ نے ساری زندگی مصائب و مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے گزار دی، لیکن ان تکالیف کے باوجود آپ ﷺ نے ہمیشہ اور ہر لمحے اپنے مقصد کو سامنے رکھا اور بالآخر آپ ﷺ نے اپنے اخلاق و کردار، علم و تقویٰ، دیانتداری، معاملہ فہمی، راستبازی، حق گوئی اور صدق و صفا سے عرب کی ہزاروں سالہ پرانی تہذیب اور بت پرستی کا قلع قمع کر دیا۔ ایک ایسے وقت میں جب عرب کی معیشت، سیاست اور تجارت پر جادوگروں، سرداروں اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا، آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے کلمۂ توحید کا علم بلند کیا۔ لوگوں کو ان کے فرائض یاد دلائے۔ نیکی کی تعلیم دی اور ساری زندگی جہالت سے برسر پیکار رہے۔ آپ ﷺ کا مشن کیا تھا؟ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی روحانی و اخلاقی رہنمائی اس طرح کرنا کہ اللہ کی مخلوق اپنے خالق کو پہچان لے اور زندگی کی ان قدروں سے آشنا ہو جو اسے کائنات کی دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس مشن کی خاطر آپ ﷺ نے معلم کامل کا کردار ادا کیا اور فرمایا:

''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً''

(میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)

سیرت پاک ﷺ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان استاد بھی ایک مشن کا علم بردار ہے اور جب تک اس کی راہ اس کے مشن کے چراغ سے روشن رہتی ہے، وہ باحوصلہ اور پرعزم رہتا ہے (گویا اپنی زندگی کو ایک عظیم مقصد یعنی مخلوق خدا کی بہتری و اصلاح کے لئے وقف کر دینے کا نام مشن

ہے) انبیاء نے ہمیشہ ناخدایا ناشناس خدا معاشرے کے خلاف جنگ لڑی ہے۔ استاد بھی گھر، مدرسہ، بازار اور معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف برسرِپیکار رہتا ہے اگر وہ پیغمبرانہ جذبے کا حامل ہو۔

معلم ایک مشن کا علمبردار ہے

مسلمان استاد جب اپنی پوری زندگی ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے وقف کر دیتا ہے تو اس کا ہر عمل ایک عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کا لکھنا پڑھنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، گفتگو کرنا، دوست واحباب سے ملنا، طلبہ سے، ہمدردی کرنا اور انہیں تعلیم دینا سب عبادت میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلمان معلم کا درسگاہ میں تدریس کے لئے جانا، علی الصبح بیدار ہونا، گرم دوپہر کو واپس آنا، لیکچر کی تیاری اور امتحانات کی ڈیوٹی وغیرہ مناسب مصروفیات عبادت بن جاتی ہیں کیونکہ مسلمان استاد کا مقصد صرف تنخواہ لینا نہیں بلکہ اپنے طلبہ کی اخلاقی، و مذہبی رہنمائی کر کے معاشرے کو صالح افراد مہیا کرنا بھی ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے معلمین کی اکثریت پیشہ تدریس کو روزی کا ذریعہ سمجھتی ہے اور طلبہ کے اخلاق و کردار کی تعمیر جیسے عظیم فریضہ سے غافل ہے۔ مسلمان استاد کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے جو ذمہ داری (معلمی) اپنے سر لی ہے وہ بہت عظیم بھی ہے اور نازک بھی۔ معلمی مادی وسائل کے حصول کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کا نام ہے اور معاشرے میں وہی استاد تبدیلی لاسکتا ہے جو اپنے مقصد اور مشن سے بخوبی آگاہ ہو۔ اس کا مشن معاشرے کو اعلیٰ اخلاق اور بہترین سیرت و کردار کے حامل افراد مہیا کرنا ہے جو ملکی معاملات معیشت، ثقافت، تجارت، قوانین اور ذرائع ابلاغ کو بہتر اور مثبت انداز میں چلا سکیں۔

اکثر معلمین کا کہنا ہے کہ کون طلبہ کے ساتھ مغز ماری کرے، یہ تو وقت کا ضیاع ہے۔ استاد کا کام بس یہ ہے کہ فقط نصابی کتب پڑھائے اور یکم تاریخ کو تنخواہ وصول کرے۔ درحقیقت یہی ذہنیت نیکی کے فروغ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ جلد باز اور تھڑدلے لوگ ہمیشہ سجدے سے سر اٹھاتے ہی دعائیں قبول کروانا چاہتے ہیں۔ مسلمان استاد کا راستہ کٹھن اور طویل ہے۔ بسا اوقات بیج بونے والا مالی تناور درخت کا پھل نہیں دیکھ سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں بیج اس وقت تک نہیں بوؤں گا جب تک بیج کا پھل اسی زندگی میں مجھے مل نہ جائے تو شاید آئندہ نسلیں پھل کھانے سے محروم رہ جائیں۔ یاد رکھیے سو میل کی مسافت کا آغاز ایک دو قدم سے ہوتا ہے اور بالآخر منزل قریب آ جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی پہلا قدم ہی نہ اٹھائے تو

منزل تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمان استاد کا کام یہ ہے کہ بے غرضی اور بے لوثی سے تعمیر سیرت و کردار کا فریضہ سرانجام دیتا رہے۔ نیکی کا کام کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ اسے اجر کی توقع اللہ سے رکھنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ومن یعمل من الصلحت من ذکرٍ او انثیٰ وھو مؤمنٌ فاُولئک یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیراً. ومن احسن دیناً ممّن اسلم وجھه لِلّٰهِ وھو محسنٌ واتبع ملةَ ابراھیم حنیفا﴾ (سورۃ النساء. آیت. ۱۲۵، ۱۲۴)

ترجمہ: اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔ اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی۔

باب نمبر:٦

مسلمان استاد ایک ہمہ گیر شخصیت

باب نمبر:٦

مسلمان استاد ایک ہمہ گیر شخصیت

مسلمان

ماہر نفسیات　　روحانی باپ　　طلبہ کا ہمدرد　　طلبہ کا مشیر　　مصلح

ماہر نفسیات:

مسلمان استاد کے لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ طلبہ کی فطرت اور نفسیات کو سمجھے کیونکہ تدریس اور افہام وتفہیم کا عمل اس وقت تک موثر نہیں ہوسکتا جب تک کہ استاد کو ان احساسات کا علم نہ ہو جن پر طلبہ کی شخصیت کا دارومدار ہے۔ معلم کو طلبہ کا نبض شناس ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ طلبہ کے مزاج، روئیے، گفتگو اور حرکات کو سمجھے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ طالب علم سراسر غلطی پر ہو لیکن وہ اپنی غلطی کا احساس یا اعتراف نہ کرے، لہذا استاد ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے تعجل یا طنز وملامت کی راہ اختیار نہیں کرتا بلکہ صورت حال متحمل مزاجی کے ساتھ سمجھتا ہے اور مثبت حل پیش کرتا ہے۔ مثلاً کسی طالب علم کو نالائق اور کند ذہن کہنے سے پہلے اس کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے ممکن ہے آپ کی کلاس میں کچھ ایسے طلبہ بھی ہوں جو شرمیلے پن کی وجہ سے بھری کلاس میں کھڑے ہو کر بات نہیں کرسکتے اور اگر کھڑے ہو بھی جائیں تو بمشکل دو چار الفاظ ادا کرتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے ان کے دو چار الفاظ سے، ان کا مافی الضمیر سمجھ لے اور پھر خود دوسرے طلبہ کے سامنے اس کی تشریح کردے۔ طلبہ کے اس شرمیلے پن کی وجہ خود اعتمادی کی کمی ہے۔ معلم کو چاہیے کہ طلبہ میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ہر طالب علم کو کلاس میں کھڑے ہو کر اپنا تعارف کروانے کو کہے اور تعارف کے بعد دوسرے دن کے لئے کہہ دے کہ کل ہر طالب علم تفصیل کے ساتھ اچھے انداز اور بہتر الفاظ کے ساتھ اپنا تعارف کروائے گا۔ ایسا کرنے سے کچھ ہی عرصہ میں طلباء کے اندر اپنا آپ بیان کرنے کے لئے اعتماد

پیدا ہو جائے گا۔

مسلمان استاد کو طلبہ کے مسائل میں دلچسپی ہونی چاہیے تا کہ انہیں حل کرنے میں مدد دے سکے۔ طلباء کی غلطیوں پر ٹوکیے نہیں' ڈانٹیے نہیں' نرم الفاظ میں اصلاح کیجئے' بہتر یہی ہے کہ غلطی کرنے والے طالب علم کو علیحدہ بلا کر تنہائی میں سمجھائیے یقین کیجیے نرمی سے سمجھانے سے طلبہ جلد سمجھ جاتے ہیں' امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

"تنہائی میں نصیحت کرنا اور سمجھانا شرافت کی دلیل اور اصلاح کی ضامن ہے۔"

روحانی باپ

جدید معاشرے میں جہاں انسان نے مادی طور پر بے پناہ ترقی کی ہے' اخلاقی و روحانی طور پر اتنا ہی پست ہو گیا ہے۔ آج اگر معاشرے میں ٹی وی ریڈیو' ہوائی جہاز' کمپیوٹر جیسی ایجادات ہوئی ہیں تو دوسری طرف معاشرے میں بد دیانتی' بدکاری' علاقائی تعصبات اور باہمی منافرتوں میں بے پناہ اضافہ بھی ہوا ہے۔ یہ حسد و بغض کی بیماری افراد سے لے کر اقوام تک پھیلی ہوئی ہے۔ باہمی افتراق کا دائرہ عمل گھریلو اور خاندانی زندگی سے شروع ہو کر بین الاقوامی افق تک چھایا ہوا ہے۔ اس کے بلا شبہ دیگر کئی اسباب و علل ہیں۔ لیکن بنیادی خامی نسل انسان کی اس تربیت اور تعلیم میں پائی جاتی ہے جو اسے درسگاہوں اور اساتذہ کے عملی کردار سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر استاد کی نگاہ بلند' سخن دلنواز اور جاں پرسوز ہے تو وہ اپنے شاگرد کو دنیاوی ترقیات کے ساتھ ہی ساتھ روحانی بلندیوں سے بھی ہمکنار کر سکتا ہے اور پھر اس کے لئے طالب علم کی ہر ترقی و خوشحالی دلی اطمینان اور مسرتوں کا موجب ہوتی ہے۔ مسلمان استاد کو روحانی باپ کا خطاب یوں ہی نہیں ملا۔ ذرا اس حدیث مبارکہ پر غور کیجئے کہ جس میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تیرے تین باپ ہیں:

ایک وہ جو تجھے عدم سے وجود میں لایا۔

دوسرا وہ جس نے تجھے بیٹی دی۔

اور تیسرا وہ جس نے تجھے علم سکھایا اور میرے نزدیک تیسرا پہلے دونوں سے افضل ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ماں باپ سے بڑھ کر اولاد کا کوئی ہمدرد نہیں' باپ اولاد کی خوشی دیکھ کر اپنی تھکان دور کرتا ہے۔ اولاد کے آرام' آسائش اور تحفظ کے لئے دن رات محنت کرتا ہے۔ درحقیقت باپ

کے دل میں شفقت اور محبت کا جذبہ رکھ کر اللہ پاک نے عظیم احسان کیا ہے‘ کیونکہ وہ نہ صرف بچے کی نگہداشت کرتا ہے بلکہ مالی وجسمانی ضروریات کا خیال بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک معلم کا کام بھی یہی ہے کہ وہ طلبہ سے سچی ہمدردی اور خلوص سے پیش آئے۔ ان کے دکھ درد کا ساتھی ہو انہیں اپنی روحانی اولاد سمجھے اور اس دینی رشتے کو ہمیشہ یاد رکھے۔ جسے معلم کامل نے افضل ترین رشتہ قرار دیا ہے۔ جس طرح ایک باپ بیٹے کی رہنمائی کرتا ہے اسی طرح معلم کا فرض ہے کہ وہ ایک روحانی باپ کی حیثیت سے طلبہ کی مذہبی‘ اخلاقی اور علمی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ انہیں مشکلات میں مشورہ دے اور اس مشورے میں نصیحت کا عنصر بھی شامل ہو‘ کیونکہ جب ایک دوست دوسرے دوست کو مشورہ دیتا ہے تو ممکن ہے کہ اس میں اس کا ذاتی مفاد بھی شامل ہو لیکن جب ایک بیٹے کو مشورہ دیتا ہے تو اس مشورے میں دلسوزی‘ محبت‘ ہمدردی اور خلوص سبھی کچھ شامل ہوتا ہے۔

طلباء کا ہمدرد

مسلمان استاد طلبہ کا سچا ہمدرد اور حقیقی خیر خواہ ہوتا ہے۔ اگر معلم کا رویہ طلبہ کے ساتھ نرم اور مشفقانہ نہیں ہے تو یہ نہ صرف طلبہ کے ساتھ ظلم ہے بلکہ پورے معاشرے کے ساتھ زیادتی ہے‘ معلم کی لاپروائی اور غیر ہمدردانہ رویہ طلبہ میں تخریب کاری کے جراثیم پیدا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیمی ادارے میں آنے والے طلبہ آپ کی دلجوئی اور ہمدردی کے بھوکے ہیں‘ ڈاکٹر آرتھر تعلیمی نفسیات میں لکھتے ہیں کہ ’’بنی نوع انسان کی عالمگیر خواہش ہمدردی ہے‘ بچہ اپنے زخم بڑے شوق سے دکھاتا ہے اور بعض اوقات خود کوئی زخم یا خراش لگالیتا ہے‘ تاکہ زیادہ سے زیادہ ہمدردی حاصل کرے۔

مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ سے ہمدردی اور محبت کا رویہ جاری رکھے اور سلسلۂ تدریس میں ایسے رسائل اور رہنمائی مہیا کرے جو طالب علم کی عملی زندگی میں دوسروں کے لئے شعوری ہمدردی کے جذبات ابھارنے کا موجب ہوں اور شفقت انسانی کا چشمہ فیض جاری وساری رہے۔

طلباء کا مشیر

آپ کے طلبہ زندگی کے نئے مسافر ہیں‘ مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کو اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں بہترین مشوروں سے نوازتا رہے تاکہ وہ کہیں ٹھوکر نہ کھائیں۔ امتحانات کی

تیاری، مضامین کے انتخاب، کیریئر کی پسند اور کتب کے بارے میں معلم کا مشورہ طلبہ کے لئے انتہائی سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ درسگاہ میں معلم کا رویہ ایسا ہو کہ طالب علم اپنی مشکلات اور مسائل کے حل کے لئے سب سے پہلے معلم کے پاس آئیں اور معلم کا فریضہ ہے کہ وہ پوری دیانتداری اور خلوص سے ان کے مسائل کا حل تجویز کرے، علاوہ ازیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد اپنی طالب علمانہ زندگی ہی میں نہیں بلکہ عمر بھر یہ حق رکھتا ہے کہ جب کبھی اسے کوئی الجھن پیش آئے وہ استاد کے دروازے پر دستک دے اور اس سے مشورہ پائے اور کسی مسئلے کا حل دریافت کرے اور دوسری طرف بہ حثیت مشیر استاد کا فرض ہے کہ وہ طالبعلم کے لئے اسی خلوص اور گرمجوشی کا مظاہرہ کرے جیسے وہ اپنی حقیقی اولاد کے لئے بہتر سمجھتا ہو۔

مصلح

مسلمان استاد تنہائی پسند اور یاسیت کا شکار نہیں ہوتا بلکہ جس طرح مچھلی پانی میں رہتی ہے اسی طرح وہ تعلیمی ادارے میں دیگر اساتذہ اور طلبہ کے درمیان رہنا پسند کرتا ہے۔ مسلمان استاد صاف ستھرا لباس پہننے والا، متوازن شخصیت کا مالک اور سلجھی ہوئی گفتگو کرنے کا عادی ہے۔ ایک مصلح کی حیثیت سے وہ دوسروں کی مدد، خدمت اور تواضع پر ہر وقت کمر بستہ رہتا ہے۔ وہ تعلیمی ادارے کے مسائل سے اغماض نہیں برتتا بلکہ ان میں پوری دلچسپی لیتا ہے۔ درسگاہ میں ہونے والے امتحانات، کھیل، مذاکرے اور مباحثے اس کی نظر میں ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف تعلیمی ادارے بلکہ گھر، خاندان، محلہ اور گاؤں بھر میں ایک ہمدرد مصلح کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے اور مصلح کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ مایوسی، جہالت اور پست ہمتی کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ جہاد کا یہ عمل ایک تسلسل کا نام ہے جس کے دوران ایک استاد کو شاگرد کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ بہ حثیت مصلح وہ صرف یہی نہیں دیکھتا کہ اس کا شاگرد نصابی کاموں میں کتنا تاک اور چوکس ہے بلکہ مسلمان استاد کی نگاہ اس بات پر بھی رہتی ہے کہ اس کے زیر تعلیم افراد کی ذہنی اصلاح اور تشکیلِ کردار میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

باب نمبر: ۷

مسلمان استاد کے لیے ضروری صفات

باب نمبر: ۷

مسلمان استاد کے لیے ضروری صفات

اسلام کا صحیح علم

استاد جس کے کاندھوں پر نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا بارگراں ہے اسلام کا صحیح فہم نہیں رکھتا تو وہ نہ خود صحیح راستے پر چل سکتا ہے اور نہ اپنے طلبہ کو صراط مستقیم دکھا سکتا ہے، مسلمان استاد کو اسلام کا شعوری علم ہونا چاہیے تاکہ وہ مذہب کے بارے میں کسی شک وشبہ کا شکار نہ ہو جس طرح اس کا دل مسلمان ہے اسی طرح اس کا دماغ بھی مسلمان ہونا چاہیے۔ یعنی اسے اسلام کو بہ حثیت دین سمجھنا چاہیے اور اس کے نظام معیشت، معاشرت، سیاست، عدالت، اور اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں پورا پورا علم ہونا چاہیے تاکہ وہ طلبہ کو سمجھا سکے کہ دین اسلام مسجد و مدرسہ تک محدود نہیں بلکہ شادی بیاہ، رسم ورواج، مہر، طلاق، صلح و جنگ، صفائی و پاکیزگی، لین دین اور ثقافتی سیاسی، تعلیمی اور معاشی میدانوں میں بھی رہبری کرتا ہے۔ مسلمان استاد پر لازم ہے کہ وہ مقصد زندگی، مقصد تعلیم و تربیت اور دین اسلام کی روح کو سمجھتا ہو اور اس پر عمل پیرا ہو۔

مسلمان استاد کا اصل کام معاشرے میں مثبت تبدیلی لانا ہے۔ اگر اس کا اپنا ایمان اور اعتقاد ہی کمزور ہے تو وہ معاشرہ تو کیا خود اپنے آپ میں بھی تبدیلی نہیں لا سکتا لہذا طلبہ کی اچھی تعلیم و تربیت اور معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان استاد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سے نہ صرف بخوبی آشنا ہو، بلکہ اپنی عملی زندگی بھی اسلامی نمونے پر گزارنے کی ہمت رکھتا ہو۔

محبت وطن

اساتذہ اپنی قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور طلبہ قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ اس سرمائے کے تحفظ

اور نگہداشت کے لئے اساتذہ کا محب وطن ہونا ضروری ہے تا کہ وہ مستقبل میں ایک ایسی قوم تیار کریں جو نہ صرف ہماری مذہبی اور تاریخی روایات کی امین ہو بلکہ نظریہ پاکستان کی روح سے بھی آگہی رکھتی ہو۔

استاد کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ تعلیمی اداروں میں لادینی عناصر کی دعوت کا راستہ روک کر جہد مسلسل اور سعی پیہم سے وطن عزیز پاکستان کو اسلام کا مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعہ بنانے میں اپنی صلاحیت صرف کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ جو معاشرے کا اعصابی نظام ہیں ان کے اذہان کو اسلامی تعلیم واخلاق کے زیور سے آراستہ کر کے انہیں اسلام کی حقیقی روح سے آگاہ کرے۔ مختصراً مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو سچے مسلمان اور محب وطن پاکستانی بنائے، جو دنیا بھر میں اپنے ملک کی عزت ووقار میں اضافہ کریں اور اسے سچی ترقی وخوشحالی سے ہم کنار کر سکیں۔

حسن سلوک

ایک عام مزدور اور کسان سے لے کر ایک تاجر، وکیل، ڈاکٹر، پولیس افسر اور سیاستدان تک سبھی یہی چاہتے ہیں کہ ان کا حلقۂ احباب وسیع ہو، لوگ ان کے بارے میں اچھی رائے رکھیں۔ انہیں اچھی نظر سے دیکھا جائے اور ان کی بات غور اور توجہ سے سنی جائے۔ ایک مسلمان استاد کے لئے یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ طلبہ اس کی باتوں کو غور اور دلچسپی سے سنیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ استاد میں خلوص اور حسن عمل پایا جائے۔ وہ خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہو تا کہ طلبہ اس کی باتوں کو توجہ سے سنیں۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”تم اپنے بھائی کو مسکرا کر دیکھو تو یہ بھی صدقہ ہے۔ مومن کی یہ خوبی ہے کہ وہ خوش گفتار اور ہنس مکھ ہوتا ہے۔ دلوں کو مسخر کرنے کے لئے خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق بہترین ہتھیار ہے کیونکہ صرف ایک مسکراتا ہوا چہرہ مقرر کی بے مقصد دھواں دھار تقریر سے زیادہ پر اثر ہوتا ہے۔ چین کی ایک پرانی کہاوت ہے کہ ”جو خوش اخلاق نہیں ہے اسے دوکان نہیں کھولنی چاہیے۔“ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جو خوش اخلاق نہیں ہے اسے معلمی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان استاد کو عادات واطوار زبان ولباس، فکر ونظر، نشست وبرخاست اور اخلاق وکردار میں اپنی مثال آپ ہونا چاہیے۔

عفو ودرگزر

کہتے ہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، ہر انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی غلطیوں کا مرتکب

ہوتا رہتا ہے اور یہ عمل اس وقت بہت بڑھ جاتا ہے، جب کوئی کچھ سیکھنے کی کوشش کر رہا ہو، یعنی سیکھنا اور غلطی کرنا لازم وملزوم ہیں۔ طلبہ درسگاہوں میں سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے غلطیوں کا سرزد ہونا لازمی امر ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کی غلطیوں سے درگزر کرے۔

طلبہ کے ساتھ استاد کا رویہ نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہیے۔ اسے طلبہ کا حقیقی خیر خواہ، نرم خو اور بردبار ہونا چاہیے۔ اس کا دل اتنا بڑا ہو کہ وہ طلبہ کی کمزوریوں اور غلطیوں سے چشم پوشی کرے اور ان کے قصور معاف کر دے۔ مسلمان استاد چاق وچوبند، ذہین، ہوشیار، مستعد اور معاملہ فہم ہوتا ہے۔ اس میں مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ استاد کی سختی واحتساب اپنے لئے اور نرمی طلبہ کے لئے ہونا چاہیے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فضاً غليظ القلب لانفضوا من حولك﴾(آل عمران ۳: ۱۵۹)

ترجمہ: "یہ اللہ رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو، ورنہ اگر تم درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔"

مسلمان استاد کو نرم خو، مہربان، بردبار اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ سخت گیری، گالی گلوچ، مار پٹائی، ایذا رسانی اور درشت خوئی مسلمان استاد کا شیوہ نہیں، طلبہ کی غلطیاں، بے اعتدالیاں اور کوتاہیاں معاف کر دینا استاد کا کام ہے۔ اگر استاد معاف نہ کرے تو طالب علم معافی کا درس کہاں سے سیکھے گا؟ استاد کا رویہ طالب علم میں عفو ودرگزر کی صلاحیتیں اجاگر کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معلم بھی احساسات اور جذبات رکھتا ہے۔ اگر کسی طالب علم پر غصہ کی حالت میں سخت کلامی سے کام لے تو اس کا احساس ہوتے ہی نرم لہجہ اختیار کر لینا چاہیے تاکہ استاد کی درشت خوئی سے طلباء کا دل آزردہ نہ ہو۔ کیونکہ حدیث مبارکہ ہے کہ "جو نرمی سے محروم کیا گیا وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ نرمی، بردباری اور غلطیوں پر معاف کر دینا ہی استاد کی شان ہے۔ اگر معلم نے طلبہ کی غلطیوں سے درگزر نہ کیا تو شاگرد عمر بھر معافی کا درس کسی سے نہیں سیکھ پاتا۔ استاد کی فتح یہ نہیں کہ اس نے عقلی کشتی جیت لی، کسی کا دماغ درست کیا، کسی کو ذلیل ومرعوب کیا۔ بلکہ استاد کی فتح اور عظمت

یہ ہے کہ اس نے کسی کو راہ راست پر لگایا۔ کسی کو اپنے اخلاق و کردار سے متاثر کیا' کسی کی علمی' ادبی' مذہبی اور تعلیمی رہنمائی کی یا کسی کو اپنی شرافت اور دیانت کا قائل کیا۔

قول و فعل

اسلامی عقائد کی رو سے مسلمان استاد کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہونا چاہیے۔ اس کا عمل اس کے قول کی گواہی دے۔ طلبہ استاد کے لباس' عادات اور گفتگو تک نقل کرتے ہیں اور اس کا اچھا یا برا اثر قبول کرتے ہیں مثلاً اگر کوئی معلم طلبہ کو دیانتداری اور ایمانداری پر لیکچر دے اور طلبہ کے علم میں یہ بات آئے کہ یہی استاد تو اکثر کلاسیں نہیں لیتا یا سکول' کالج کا ادبی سپورٹس فنڈ کھا جاتا ہے یا سکول کی اشیاء مثلاً کرسیاں' میزیں گھریلو استعمال میں لاتا ہے تو طلبہ پر ایسے لیکچر کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یا مثلاً اگر کوئی استاد نماز باجماعت پر درس دے رہا تھا اور نماز ظہر کی اذان کانوں میں پڑتی ہے اور وہ پھر بھی نماز کے لئے نہیں جاتا تو طلبہ کبھی بھی نماز باجماعت کو اہمیت نہیں سمجھیں گے۔ اسی طریقے سے اگر کوئی استاد نت نئے فیشن کے بے ہنگم کپڑے پہن کر سادگی کا درس دے تو وہ کبھی بھی متاثر کن نہ ہوگا یا اگر کلاس میں صداقت وسچائی کے عنوان سے بھرپور لیکچر دیا جائے اور اتنے میں چپڑاسی آ کے کہے کہ ''پرنسپل صاحب بلا رہے ہیں۔'' اور استاد کہہ دے کہ '''' کہہ دو میں نہیں ہوں'' تو طلبہ پر نہایت منفی اثر پڑے گا۔ یاد رکھئے کہ مسلمان استاد صرف نصابی کتب پڑھانے والا پیشہ ور استاد نہیں بلکہ ایک مشنری جذبہ رکھنے والا معلم ہے اس کا کام نہایت کٹھن ہے' اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تعلیم و تربیت کے ساتھ اپنے عمل و گفتگو سے مذہبی عقائد' افکار' رسم و رواج' طرز زندگی اور تہذیب و تمدن بڑے خلوص اور دیانت داری سے نئی نسل تک منتقل کر دے اور اس مقصد میں وہ اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب اس کے قول اور عمل میں مکمل ہم آہنگی پائی جائے گی۔ معلم جن اخلاق و اوصاف کی تلقین اپنے طلبہ کو کرتا ہے اگر خود ان پر عمل پیرا نہ ہو تو طلبہ پر منفی اثر ہوگا۔ معلم کو ہمیشہ اپنی گفتگو' کردار اور رویے کا احتساب کرتے رہنا چاہیے۔ قول و فعل سے متعلق ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں کہ ''مذہبی تعلیم کا یہ عجب رنگ ہے۔ قوم کے استادوں کی اپنی زندگیوں میں اس مذہب یا عقیدے کا نام تک نہیں۔ جب تک استاد خود عملی اعتقاد کا نمونہ پیش نہیں کرتے اس وقت تک دینیات کے چند درس کسی جماعت میں رکھ دینے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔''

لہذا استاد کے قول و فعل میں باہمی ربط کا پایا جانا ناگزیر ہے مثلاً اگر استاد وعدے کا پابند نہیں تو

طلباء کبھی بھی عہد کی پابندی نہ کریں گے یا معلم وقت کا پابند نہیں تو طلباء کبھی وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت کا احساس نہیں کر سکتے۔ طلباء کی سیرت پر اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ معلم جو کچھ زبان سے کہے' اس پر عمل پیرا بھی ہو۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿لم تقولون مالا تفعلون﴾

ترجمہ: ''یعنی تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے ہو۔''

کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ:

بے عمل دل ہو تو جذبات سے کیا ہوتا ہے
دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے
ہے عمل لازمی تکمیل تمنا کے لئے
ورنہ رنگین خیالات سے کیا ہوتا ہے

عدل وانصاف

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربی﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

مسلمان استاد کو اخلاق و کردار اور حق و انصاف کا بہترین نمونہ (MODEL) ہونا چاہیے۔ وہ جو کچھ کہے اپنے عمل و کردار کو اس پر گواہ بنائے' عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ طلبہ میں فرق نہ کرے' بظاہر یہ معمولی اقدام لگتے ہیں لیکن ظلم و ناانصافی کی ابتداء اکثر معمولی کاموں سے ہوتی ہے اور پھر طلبہ کو نقل فراہم کرنے' رشوت وصول کرنے اور دوسروں کا حق مارنے پر منتج ہوتی ہے۔ طلبہ اگر استاد کو انصاف قائم کرتے نہ دیکھیں گے تو ان پر نہایت منفی اثر مرتب ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ''ساری کلاس ایک طرف' استاد کا بیٹا ایک طرف...... معلم کا ایسا کرنا سراسر زیادتی و ناانصافی ہے...... مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ تمام طلبہ کو ایک نظر سے دیکھے' ان میں فرق نہ کرے' سست اور کام چور طلبہ پر خصوصی توجہ دے اور ان کو کلاس میں اگلی قطار میں جگہ دے تاکہ ان کا

احساس کمتری دور ہو اور وہ دلچسپی و توجہ سے کلاس لیں۔ عدل و انصاف کے سلسلے میں یہ بات اہم ہے کہ استاد کو چاہیے کہ وہ ناراضگی اور غصہ کی حالت میں بھی انصاف پر قائم رہے اور طلبہ کو زبان یا قلم سے کوئی نقصان نہ پہنچائے ہر حالت میں نیک برتاؤ، ہمدردانہ رویہ اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔

زبان کی حفاظت

پلوٹارک نے کہا تھا کہ "غصہ ہماری شخصیت میں قدم رکھتے ہی پہلا کرم یہ فرماتا ہے کہ وہ ہماری سوچ کو سمجھ سے باہر دھکیل کر ذہن کے سبھی دروازوں پر چٹخنی چڑھا دیتا ہے اور شاید اسی وجہ سے غصہ ناقابل تسخیر بن جاتا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو گنوا بیٹھنا غصہ کی اولین نشانی ہے۔"

بعض اساتذہ میں غصہ ایک عادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ بات بے بات میں بگڑنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور اگر کوئی وجہ نہ ہو تو یونہی مہنگائی یا موسم کی خرابی پر بگڑنے لگتے ہیں۔ مسلمان استاد پر لازم ہے کہ وہ اپنے مزاج پر قابو رکھے اور زبان اور الفاظ کا استعمال سوچ سمجھ کر کرے، اس کی گفتگو میں سختی اور طنز نہیں ہونا چاہیے۔ معلم کی زبان ہی وہ آلہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنی بات طلبہ تک پہنچاتا اور اپنے خیالات و جذبات کو طلبہ تک منتقل کرتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ معلم کی زبان میں شیرینی، گھلاوٹ اور نرمی ہو، کیونکہ طلبہ معلم کی زبان، الفاظ اور تلفظ کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں "کہتے ہیں کہ انسان کی عزت اس کی زبان میں ہے۔" یہ بات درست ہے کیونکہ کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلی ہوئی بات واپس نہیں آتی۔ اگر غصے کے وقت استاد گالی گلوچ پر اتر آئے تو کوئی اس کا منہ بند نہیں کر سکتا لیکن بہتری اسی میں ہے کہ معلم غصہ کے وقت زبان کی حفاظت کرے۔ اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالے جس سے طلبہ پر منفی اثر پڑے۔

مطالعہ کی عادت

ایک استاد کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ اسے اس مضمون میں کمال حاصل ہو جسے وہ پڑھاتا ہے لیکن ایک مسلمان استاد کے لئے تو یہ بات بہت اہم ہے کہ نہ صرف اسے متعلقہ مضمون کے ہر پہلو پر عبور حاصل ہو بلکہ وہ اس مضمون کو اسلامی نقطۂ نظر سے پڑھائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان استاد اپنے مضمون سے متعلق مزید مطالعہ جاری رکھے، اور فکر و تحقیق کے ذریعے اس میں نئی نئی مثالیں شامل

کرے۔ ایک ڈگر اور ایک ہی انداز سے پڑھانا مسلمان استاد کا شیوہ نہیں۔ مسلمان استاد کی معلومات اپنے مضمون کے بارے میں ''اپ ٹو ڈیٹ'' ہونی چاہئیں۔ چنانچہ مطالعہ کی عادت مسلمان استاد کی اہم خوبی ہے، جس کی بدولت اس کی معلومات میں اضافہ اور فکر و سوچ میں بالیدگی ہوتی ہے۔

سطحی معلومات رکھنے والا معلم اگر غلط بیانی پر اتر آئے تو طلبہ کا اعتماد مجروح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طلبہ معلمین کی باتوں کو سند مانتے ہیں۔ اگر کلاس میں استاد کو کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو غلط معلومات فراہم کرنے کی بجائے اسے خندہ پیشانی سے عدم واقفیت کا اعتراف کرنا چاہیے اور گفتگو کو دوسرے موقع پر اٹھا رکھنا چاہیے۔ اسی میں معلم کی عظمت ہے۔ مسلمان استاد میں مطالعہ کی عادت کے ساتھ ساتھ تخلیقی قوت اور بالغ نظری بھی ہونی چاہیے۔ تلفظ کی درستی کے لئے اسے ڈکشنری کا استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ غلط تلفظ ادا کرنے سے تمام کلاس الفاظ کو غلط تلفظ کے ساتھ پڑھے گی۔ مسلسل مطالعہ اور تحقیق معلم کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی کھیت کی بروقت آبیاری۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں استاد کو چاہیے کہ وہ نئی نئی معلومات اور جدید اصطلاحات طلبہ تک پہنچاتا رہے تاکہ طلبہ میں بھی مطالعہ و تحقیق کی عادت اور جستجو پروان چڑھے۔

ایثار و قربانی

ایثار کے معنی ترجیح دینے یا قربانی کے ہیں، یعنی آدمی خود تکلیف اٹھائے مگر دوسروں کو آرام پہنچائے۔ اپنے حق سے کم پر راضی ہو جائے، خود مشکلات برداشت کرے مگر دوسروں کی تکلیف کا ازالہ کرے۔ خود بھوکا رہے مگر دوسرے کا پیٹ بھر دے۔ اپنی ضروریات کو چھوڑ کر دوسرے کی ضرورت کا خیال کرے۔ ایثار و قربانی کا عملی مظاہرہ آسان کام نہیں کیونکہ اس کے لئے نفس پر قابو پانا پڑتا ہے جو ہر شخص کے بس میں نہیں لیکن مسلمان استاد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ طلبہ کے لئے اپنے اوقات اور صلاحیتوں کی قربانی دے۔ مسلمان استاد نرم دل، پرخلوص اور ایثار و قربانی کا پتلا ہوتا ہے۔ وہ طلبہ کے لئے سراپا رحمت ہے، یہی صفت اسے طلبہ میں ہر دلعزیز بناتی ہے۔

مدرسہ کے طالب علم کم عمر، کم فہم، ناتجربہ کار اور استاد سے کم علم رکھتے ہیں۔ وہ معلم کی توجہ، مہربانی اور شفقت کے محتاج ہیں، استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے آرام اور اوقات کی قربانی دے کر طلبہ کی بہتر سے بہتر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ حضور پاک ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے فرمایا۔

''اے علیؓ۔ اگر تیرے ذریعے کوئی ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو یہ تیرے لیے دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔''

تعریف وتحسین

مشہور نفسیات دان ڈیل کارنیگی کا کہنا ہے کہ ''ہم اپنے بچوں' دوستوں اور نوکروں کے جسموں کی پرورش کرتے ہیں لیکن ہم ان کی خودی کی شاید ہی کبھی پرورش کرتے ہوں' ہم ان کی طاقت بڑھانے کے لئے انہیں بھنا ہوا گوشت اور سبزیاں کھلاتے ہیں لیکن ہم انہیں تحسین وتعریف کے نرم الفاظ سے محروم رکھتے ہیں۔ جو ان کی یادوں میں سالہا سال تک صبح کے ستاروں کے گیتوں کی طرح کھنکتے ہیں۔'' اپنے طلبہ پر تنقید مت کیجئے۔ انہیں اچھے ناموں سے پکاریئے۔ انہیں اچھا سمجھیئے۔ یقین کریں وہ اچھا بن کر دکھائیں گے۔ اچھا کام کرنے پر ان کی تعریف کیجیے۔ استاد کی شخصیت اپنے طلبہ کے لئے انتہائی معزز ہوتی ہے اور جب کوئی معزز شخص تعریف وتحسین کے جملے ادا کرے تو معمولی ذہانت کے بچوں پر ان تعریفی کلمات کا حیران کن اثر ہوتا ہے۔ وہ طلبہ والدین اور دوستوں میں اس کا ذکر کرتے ہیں کہ انہیں استاد کتنی اہمیت دیتا ہے۔ معلم کی طرف سے تعریف وتحسین اور حوصلہ افزائی طلبہ میں مثبت سوچ پیدا کرتی ہے۔ مسلمان استاد کو نکتہ چینی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ نکتہ چینی نہایت خطرناک شعلہ ہے۔ جو غرور کے بارود خانے میں دھماکہ پیدا کرتا ہے۔ اس لئے معلم کا فرض ہے کہ وہ نکتہ چینی کی بجائے' ان کے اچھے کاموں پر جائز اور مناسب تعریف کرنے میں کنجوسی نہ دکھائے بلکہ دل کھول کر تعریف کرے۔

حکمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا﴾

ترجمہ: ''جسے حکمت عطا کی گئی دراصل اسے بڑی بھلائی سے نوازا گیا۔''

مسلمان استاد کو ایک تعمیری کام سرانجام دینا ہے' اسے محب وطن اور اسلام شناس صالح افراد کی نسل تیار کرنا ہے۔ یہ ایک مشکل' کٹھن اور طویل راستہ ہے۔ اس لئے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسے تدبر' فہم وفراست اور حکمت کی ضرورت ہے' طلبہ کے ذہنوں سے معاشرہ' خاندان اور ذرائع ابلاغ کے فراہم کردہ

غلط خیالات کی بجائے نیکی وراست بازی کے لئے جگہ بنانا اوران کے غیر تعلیمی اورمنفی رجحانات کا خاتمہ کر کے اخلاق و پاکیزگی اور مثبت انداز فکر کی تعلیم دینا کوئی آسان کام نہیں' لیکن اگر حکمت اور سلیقے سے یہ کام کیا جائے تو نہ صرف آسان بلکہ دلچسپ بھی ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ منصوبہ بندی اور حکمتِ عملی سے طلبہ کو زندگی کا سلیقہ سکھائے اور انہیں نظم وضبط اور پاکیزہ زندگی گزارنے کی تلقین کرے۔ اسے یہ کام شعوری طور پر کرنا چاہیے' جس میں کسی جلد بازی کی ضرورت نہیں کیونکہ ذہنوں کو بدلنے میں سال لگ جاتے ہیں۔ فرسودہ خیالوں کے دھارے کا رخ موڑنے میں اس کی زندگی کھپ سکتی ہے۔ اسے چاہیے کہ حسن اخلاق' علم وتقویٰ اور حکمت وتدبر کے ہتھیاوں سے دلوں اور دماغوں کو مسخر کردے۔ اسلام کی انقلابی تعلیمات کو اپنے عمل کا جزو بنائے اور اپنے طلبہ کے ساتھ نرم ومشفقانہ رویہ رکھے۔

حکمت کا تقاضا ہے کہ مسلمان استاد ایسے موقع پر اپنے طلبہ کو نصیحت کرے' جب وہ نصیحت قبول کرنے کا میلان رکھتے ہوں۔ کتاب الخراج ابو یوسف میں حضرت علیؓ کا یہ قول منقول ہے کہ ''دلوں کی خواہشیں اور میلانات ہوتے ہیں اور کسی وقت وہ بات سننے کے لئے تیار رہتے ہیں اور کسی وقت اس کے لئے تیار نہیں رہتے تو لوگوں کے دلوں میں ان میلانات کے اندر سے داخل ہو اور اس وقت بات کہہ جب وہ سننے کے لئے تیار ہوں' اس لئے کہ دل کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کسی بات پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾

ترجمہ: ''دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف' حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔''

مسلمان استاد کو اپنے طلبہ کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنا چاہیے' ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ انہیں حقیر اور نالائق نہ سمجھے' ان پر مایوسی طاری نہ ہونے دے۔ اور ان کی خودی اور عزت نفس کو مجروح نہ کرے' ورنہ اندیشہ ہے کہ طلبہ میں بزدلی احساس کمتری اور پست ہمتی جیسی اخلاقی برائیاں پیدا ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ...... آسانیاں بہم پہنچاؤ' شدائد میں مبتلا نہ کرو۔ خوشخبری دو متنفر نہ کرو۔

سادگی وانکساری

مسلمان استاد، احتیاط سے گفتگو کرنے والا، صاف وسادہ لباس پہننے والا اور پرکشش شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت منکسر المزاجی بھی ہے وہ اپنے علم اور تجربے پر غرور و تکبر کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتا ہے۔ اسے دوسروں سے خلوص سے پیش آنا چاہیے۔ سادگی ملنساری اور منکسر المزاجی معلم کا وقار بڑھاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ استاد ہر وقت بیش قیمت لباس میں نظر آئے اور روزانہ قیمتی خوشبوئیات کا استعمال کرے۔ بظاہر یہ چیزیں شاید کسی کو متاثر کر دیں لیکن گفتگو کرتے ہی قلعی کھل جاتی ہے اور دوسروں کو فوراً یہ علم ہو جاتا ہے کہ بات کرنے والے کا علم، تجربہ اور خلوص کتنا ہے۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ سادہ اور عام فہم لہجے میں گفتگو کرے اور دوسروں کے ساتھ نہایت سادگی اور منکسر المزاجی سے پیش آئے۔

مسلمان استاد کو چاہیے کہ نہ صرف اپنے مزاج بلکہ کمرے میں بھی سادگی اور صفائی کو برقرار رکھے، اپنے کمرے میں تصاویر اور رنگا رنگ کیلنڈر لٹکانے کی بجائے قرآنی آیات کا ترجمہ، احادیث اور اکابرین اسلام کے اقوال اور پند و نصائح سے مزین کرے۔ ان چیزوں سے تعلیمی اداروں میں آنے اور کام کرنے والوں پر بیک وقت علمی اور فکری اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جوہر شناسی

مسلمان استاد کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں جوہر شناسی کی صلاحیت پائی جائے یعنی وہ طلبہ کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو جانچنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ ہر طالب علم کی نفسیات اور خصوصیات کا نہ صرف پورا پورا خیال رکھے بلکہ انہیں پروان چڑھانے میں اعانت بھی کرے۔ مثلاً اگر کسی طالب علم کا رجحان تقریر کی طرف ہے تو خطابت کے میدان میں اس کی رہنمائی کرے۔ کوئی اچھا مصنف ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کرے اور اسے اخبارات و رسائل میں کالم لکھنے کی مشق کرائے۔ کوئی طالب علم سائنس سے دلچسپی رکھتا ہے تو اس کی رہنمائی کرے۔ کسی کو آرٹ سے شغف ہے تو اس کی معاونت کرے۔ اگر کسی طالب علم کو مطالعہ کا شوق ہے تو اچھی اچھی کتب کی فہرست دے، غرض تعلیم کے ہر میدان میں طالب علم کی نفسیاتی، علمی اور اخلاقی رہنمائی کا فریضہ ادا کرے۔ علاوہ ازیں مسلمان استاد کا یہ بھی فرض ہے کہ طلبہ میں پائے جانے والے منفی رجحانات کو مثبت طرز فکر دے مثلاً سینما بینی، فحش ناول و افسانوں کا مطالعہ اور موسیقی و دیگر لہو و لہب سے پرہیز کی تلقین کرے، اور انہیں مثبت و تعمیری مشاغل و مصروفیات کی طرف راغب کرے۔

پابندیٔ وقت

''فن تعلیم وتربیت میں افضل حسین لکھتے ہیں کہ ''اساتذہ میں ایسی اسپرٹ ہونی چاہیے کہ وہ مدرسے میں حاضری کو مقدم سمجھیں اور معمولی علالت یا ایسی ہنگامی ضرورت کو جس سے صرف نظر کیا جاسکتا ہو غیر حاضری کا بہانہ بنانے سے گریز کریں۔''

عام طور پر طلبہ کی غیر حاضری اساتذہ کو بڑی گراں گزرتی ہے' لیکن اگر معلم غیر حاضر ہو تو پوری کلاس کے تعلیمی نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس لئے پابندیٔ اوقات مسلمان استاد کی اہم خوبی ہے۔ طلبہ قومی امانت ہیں۔ جو اساتذہ کے سپرد ہوتی ہے۔ اگر استاد دیانتداری اور راستبازی سے باہنر اچھے انسان اور بہترین مسلمان تیار نہیں کرتا تو اس کے منفی اثرات پوری قوم پر مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ استاد کا اپنا پابند وقت ہونا لازمی ہے۔ غیر مستقل مزاج اور وقت کی پابندی نہ کرنے والے اساتذہ طلبہ میں غیر شعوری طور پر منفی رجحانات پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔ پابندیٔ وقت ہی کی بدولت ایک معلم اپنے طلبہ کے اخلاق اور سیرت پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔

خود اعتمادی

معلم روزانہ ایک کلاس سے مخاطب ہوتا ہے' اس لئے اس میں خود اعتمادی کا ہونا ضروری ہے۔ اگر استاد کو اپنے مضمون پر مکمل عبور حاصل ہے اور وہ اس کے ابلاغ کے لئے مناسب الفاظ بھی رکھتا ہے تو اس کے اندر خود بخود خود اعتمادی پیدا ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ بااعتماد لہجہ رکھنے والا خود اعتماد شخص ہی معلمی کے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دے سکتا ہے۔ خود اعتمادی کے ساتھ لازمی ہے کہ مسلمان استاد میں خدا اعتمادی بھی بدرجہ اتم پائی جائے۔ مسلمان استاد کے اندر پیدا ہونے والی خود اعتمادی اور خدا اعتمادی اسے خودی کی دولت عطا کرتی ہے' اور یہ خودی اسے گوشہ نشینی کی بجائے تگ ودو کے میدان میں عمل پر اکساتی ہے' اسی خود اعتمادی کی بدولت مسلمان استاد تعلیمی ادارے کے معاملات کو سمجھتا اور ان کا حل تجویز کرتا ہے۔

ہر دلعزیز شخصیت

مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے پیشہ ورانہ فرائض پوری دلجمعی' لگن ذوق وشوق اور خوشی خوشی

سرانجام دے۔ نظم وضبط، شائستگی، پاکیزگی وصفائی، محاسبہ نفس کی عادت اور احساس فرض اس کی گھٹی میں پلا ہو۔ الغرض عزم وحوصلہ، قوت فیصلہ، صبر و برداشت، مقصد کی لگن، وسعت نظر، ہمدردی وانصاف، معاملہ فہمی وتدبر، فیاضی ورحمدلی، سچائی وراستبازی، ایثار وقربانی، حسن تدبیر، پاس عہد اور حسن عمل اس کی اہم خصوصیات ہیں۔ مسلمان استاد کو ہمیشہ پرعزم، پریقین، پرامید اور ہر لحہ تعمیری انداز فکر سے مصروف کار رہنا چاہیے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو اس کی شخصیت کو ہردلعزیز بناتی ہیں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ دلائل اور براہین کی بنیادوں پر دوسروں کو قائل کرنے کی شخصی صلاحیتوں میں اضافہ کرے تاکہ وہ اپنے طلبہ کو بات اچھی طرح سمجھا سکے۔ اگر اس میں دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے تو وہ کامیاب استاد ہرگز نہیں بن سکتا۔ الغرض اسے ہردلعزیز اور متوازن شخصیت کا مالک ہونا چاہیے۔

شرمندگی سے بچانا

مسلمان استاد کو چاہیے کہ اگر اسے کسی طالب علم کی غلطی کا پتا چلے تو اسے شرمندہ نہ کرے بلکہ مناسب طریقے سے سمجھائے۔ طلبہ کے کسی عیب یا بے اعتدالی کو ہدف بنا کر انہیں شرمندہ اور ذلیل کرنا مسلمان استاد کا شیوہ نہیں۔ اس طرح ان کی عزت نفس مجروح ہوگی اور وہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئیں گے۔ بہت کم اساتذہ ایسے ہیں جو طلبہ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں، ورنہ اکثر عیب جوئی اور نکتہ چینی سے کام لیتے ہیں اور ذرا نہیں سوچتے کہ ان کے سخت الفاظ سے طلبہ کو ان کی غلطیوں کا احساس دلایا جاسکتا ہے، خیال رہے کہ طلبہ کی غلطیوں کی طرف ان کی توجہ بالواسطہ (INDIRECT) طور پر مبذول کرائیے۔ طلبہ کی قابلیت، عزت نفس اور جذبہ فخر کو مجروح نہ کیجیے۔ اچھے استاد کے لئے امام غزالیؒ کی دس نصیحتیں بہت مشہور ہیں۔

۱۔ اچھے استاد کو چاہیے کہ طلبہ کے ساتھ شفقت سے پیش آئے ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کے نمونے کو ہر وقت اپنے سامنے رکھے، اصل مقصود ترویج واشاعت علم ہو۔ معاوضہ کا کوئی خیال بھی دل میں نہ آئے۔

۳۔ حتی الواسع وہ اپنے شاگردوں کو اس امر کی نصیحت کرے کہ وہ سند فضیلت اور سند فراغ اس وقت تک حاصل نہ کریں جب تک وہ اس کے اہل نہ ہوجائیں۔

۴۔ اپنی توجہ طلبہ کی صرف علمی لیاقت پر ہی مرکوز نہ کرے بلکہ ان کی تربیت پر بھی توجہ

دے۔ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو تو نرمی کے ساتھ فہمائش کرے۔

۵۔ اپنے شاگردوں کے سامنے دوسرے اساتذہ اور دوسرے مضامین کی مذمت یا تنقیص نہ کرے۔ بلکہ طلبہ کو ترغیب دینا چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ شعبہ ہائے علوم میں مہارت حاصل کریں۔

۶۔ مبتدی کے لئے محدود لیاقت اور طالب علموں کے لیے ایسے سہل اسباق منتخب کرے۔ اس کا عمل رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر ہونا چاہیے کہ جو شخص اپنے مخاطب کے معیار فہم سے بلند تر گفتگو کرتا ہے، اس سے بعض لوگوں کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۷۔ استاد کو چاہیے کہ اپنے اقوال کو اپنے اعمال سے قوت پہنچائے۔ کیونکہ اقوال کان میں اترتے ہیں اور اعمال کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اس سلسلے میں ابن المصفع کا قول بہت خوب ہے کہ جو شخص پیشوا اور رہنما بننا چاہتا ہے اسے پہلے اپنے نفس کی تربیت کرنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اپنی زبان سے زیادہ اپنی شہرت سے لوگوں کی تعلیم وتربیت کر سکے گا۔

۸۔ شاگردوں کی ہمت افزائی اس انداز سے کرے کہ وہ خود اپنی عقل وفہم کو صحیح استعمال کرنے لگیں۔ محض استاد کی نقالی کرنے پر اکتفا نہ کریں۔

۹۔ امام غزالی نے معلم الصبیاں (چھوٹے بچوں کے استاد) پر خاص توجہ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں چھوٹے بچوں میں نقل کرنے کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی نظریں استاد کے الفاظ پر لگی رہتی ہیں۔ استاد کی پسند ان کی پسند، استاد کی ناپسند ان کی ناپسند ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں استاد کو چاہیے کہ وہ ان کے سامنے بہتر اور معیاری کردار کا نمونہ پیش کرے۔

۱۰۔ استاد کو چاہیے کہ وہ تمام طلبہ کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے۔ امیر غریب طلبہ کے درمیان کوئی تفریق روا نہ رکھے۔

باب نمبر: ۸

تعلیمی اداروں کی مجموعی فضا اور استاد

باب نمبر:۸

تعلیمی اداروں کی مجموعی فضا اور استاد

رفقائے کار سے خوشگوار تعلقات

ایک ہی تعلیمی ادارے میں کام کرنے والے اساتذہ کے باہمی خوشگوار تعلقات تعلیمی ادارے کی ترقی وخوشحالی کی علامت سمجھے جاتے ہیں' اگر اساتذہ کے اندر اتحاد اخلاص' محبت' نظم وضبط' حسن سلوک' ہمدردی اور رواداری کی فضا پائی جاتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ درسگاہ کے طلبہ میں بھی یہی خصوصیت پائی جائیں گی لیکن اگر اس کے برعکس اساتذہ میں باہمی منافرت' غیبت' نفسانیت' بغض' بدگمانی' حسد اور ناچاقی ہوگی تو لازماً طلبہ میں بھی انتشار' نااتفاقی' تنگ نظری اور تخریب کاری کے جراثیم پیدا ہونگے۔ ایک ہی تعلیمی ادارے میں کام کرنے والے اساتذہ کی مثال ایک خاندان کی سی ہے۔ اس لئے مسلمان استاد پر لازم ہے کہ وہ اپنے رفقائے کار سے اچھے تعلقات قائم رکھے' ان سے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے پیش آئے ان کی عزت نفس کا خیال رکھے اور کبھی عامیانہ انداز سے مخاطب نہ کرے۔ عام طور پر اور خصوصاً محفل میں انہیں اچھے نام سے پکارے اور ان کے بارے اچھی رائے کا اظہار کرے۔ تعلیمی ادارے کی فضا میں بے ضابطگی کی بجائے نظم وضبط' حق تلفی کی بجائے میل جول' منافرت کی بجائے ٹیم سپرٹ اور دوسروں کی عزت نفس پر حملے کی بجائے حسنِ ظن اور ہمدردی وتعاون کی فضا ہونی چاہیے۔ تعلیمی ادارے میں پیدا ہونے والے مسائل کو تمام اساتذہ باہمی افہام وتفہیم سے سلجھا سکتے ہیں۔ باہمی مشاورت اور اصلاح کے کام میں اسلامی آداب کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ اکثر تعلیمی اداروں میں اساتذہ کو سربراہِ ادارہ سے مختلف شکایات رہتی ہیں۔ اسلامی آداب کے مطابق سربراہ ادارہ سے اختلافی باتیں اس کی موجودگی میں ہونی چاہئیں اور بڑے خلوص ودیانت سے اس کی خامیوں کی نشاندہی کردیں۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ درسگاہ میں گروپ بندی کی فضا پیدا نہ ہو۔

ایک ہی تعلیمی ادارے میں پڑھانے والے اساتذہ عام طور پر دوست بن جاتے ہیں لیکن یہ دوستی تعلیمی ادارے کی چار دیواری تک محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی میں شریک ہونا مسلمان استاد کا فرض ہے۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے رفقائے کار سے بہترین ذاتی تعلقات رکھے اور انہیں مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کرے۔

مسلمان استاد کو اگر نصابی کتب میں کوئی مشکل پیش آئے تو اسے اپنے دوسرے ساتھیوں سے پوچھنے میں ہتک محسوس نہیں کرنی چاہیے بلکہ طلبہ کی بہتری کے لئے اپنے رفقائے کار سے صلاح مشورہ کرنا چاہیے۔ غرض Recess میں چائے کی پیالی سے لے کر ذاتی تعلقات تک اساتذہ میں محبت‘ رواداری اور ہمدردی کا ہونا تعلیمی ادارے کی ترقی و خوشحالی کی ضمانت ہے۔

تعلیمی اداروں میں وحشیانہ سزاؤں کا تصور

طلبہ کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی اور عظیم سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر اگر اچھی ہوگی تو یہ طالب علم ملک و قوم کے لئے بہترین افراد ثابت ہوں گے لیکن ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی برتی گئی تو یہ معاشرے کے لئے وبال جان بھی بن سکتے ہیں۔ طالب علمی کا زمانہ چونکہ کم سنی اور غیر ذمہ داری کا دور ہوتا ہے اس لئے اکثر طلبہ ضدی‘ ہٹ دھرم‘ گستاخ‘ سست‘ لاپروا اور محنت سے جی چراتے ہیں۔ ایسے میں اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ بڑی ہوشیاری اور حکمت عملی سے طلبہ کی ناپسندیدہ عادتیں ختم کروائیں اور احساس ذمہ داری پیدا کریں۔ اچھے معلم کو چاہیے کہ اگر وہ کسی طالب علم میں کوئی بری عادت دیکھے تو اسے تنہائی میں بلا کر نرمی سے سمجھائے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے ’’تنہائی میں نصیحت کرنا اصلاح کی ضمانت ہے‘‘ چنانچہ طلبہ کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر لعنت‘ ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے ہمدردی‘ محبت اور دلسوزی کا رویہ اپنایا جائے

بدقسمتی سے ہمارے تعلیمی اداروں میں سزاؤں کا تصور ناگزیر سمجھا جاتا ہے بعض تعلیمی اداروں میں ایسی سزائیں رائج ہیں کہ دل دہل جاتا ہے۔ چشم حقیقت سے دیکھا جائے تو درسگاہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں طلبہ کچھ سیکھنے آتے ہیں اور سیکھنے کے عمل میں ہر شخص غلطی کرتا ہے۔ اس غلطی پر اسے مکوں‘ لاتوں‘ تھپڑوں اور ڈنڈوں سے مارنا سراسر زیادتی ہی نہیں علمی کام سے بغاوت پر اکسانا بھی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ استاد کی ناروا مار پیٹ اور بے جا ڈانٹ ڈپٹ سے شاگرد کا دل ٹوٹ گیا وہ مدرسے سے خوف زدہ

اور ہراساں رہنے لگا۔ بالآخر اس نے ریاضی پڑھنے کی بجائے ریڑھی لگانے کو ترجیح دی۔

فوج کے تربیتی اداروں، کیڈٹ کالجوں اور دیگر عسکری پیشہ ورانہ اداروں میں بھی جسمانی سزاؤں کا تصور موجود ہے۔ جبکہ مہذب و اعلیٰ اداروں میں نقد جرمانوں کی صورت میں سزائیں دی جاتی ہیں جبکہ ہمارے دینی مدرسوں میں سخت ترین جسمانی سزائیں دینا روزمرہ کا معمول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معلمی کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے انتہائی صبر و برداشت، تحمل، بردباری اور حکمت و نرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ استاد کی معمولی سی غلطی یا کوتاہی طالب علم کی پوری زندگی غلط سمت پر ڈال سکتی ہے۔ سخت سزاؤں سے اکثر طلبہ ضدی، ہٹ دھرم، تخریب کار، کام چور اور سازشی بن جاتے ہیں بعض اساتذہ معصوم طالب علموں کو سخت سزائیں دے کر نہ جانے کس سے خراج تحسین وصول کرنا چاہتے ہیں کہ وہ سبق یاد نہ کرنے والے طلبہ کو جسمانی سزا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ بعض معلمین بچوں کو نازک ہتھیلیوں کو ڈنڈے سے مارتے ہیں۔ بعض بڑی بے دردی سے کان مروڑتے ہیں، کچھ طلبہ کو مرغا بنا کر پیٹھ کو چھڑی سے پیٹتے ہیں، منہ پر تھپڑ مارنا، انگلیوں میں پنسل دبانا، گردن دبوچنا، بازو مروڑنا، لات مارنا، چھنگلی (چھوٹی انگلی) کا ناخن دبانا اور طالب علم کا بازو پکڑ کر پیٹھ پر چھڑیاں مارنا بھی سزا دینے کا طریقہ ہے بالخصوص دیہی سکولوں کے اساتذہ اپنے گھروں میں کام نہ کرنے، کلاس میں بات چیت کرنے، معمولی سزاؤں یا سائیکل پنکچر نہ لگوانے، انڈے، سبزی، لسی، دودھ نہ لانے اور حتی کہ گلی میں استاد کو سلام نہ کرنے کے ''جرم'' پر بھی سزا دینے پر اتر آتے ہیں۔ اکثر اساتذہ کا یہ معمول ہے کہ اگر وہ کسی طالب علم کو ایسی حرکت کرتے ہوئے دیکھیں جسے وہ پسند نہیں کرتے تو فوراً تلخ نوائی اور درشت خوئی پر اتر آتے ہیں۔ طلبہ کو کان پکڑاتے ہیں، چھڑیوں سے پیٹتے ہیں اور اس طرح اپنے دل کا بخار اور طبیعت کا غبار نکالتے ہیں۔

معلمی کوئی تھانیداری نہیں ہے۔ سزا، مار پیٹ اور ڈنڈا استعمال کرنے سے عارضی طور پر تو نظم وضبط قائم ہو جاتا ہے لیکن اس کے دوررس اثرات نہایت مہلک ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس مثبت طریقوں اور حکمت عملی سے نہ صرف شرارتی، ضدی، کام چور اور ہٹ دھرم طلبہ کی اصلاح کی جا سکتی ہے بلکہ ان میں ایسی اچھی عادات بھی پیدا کی جا سکتی ہیں۔ جنہیں وہ زندگی بھر اپنائے رکھتے ہیں۔ سزا دینے سے بچوں میں قنوطیت، بے چینی، آزردگی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے، دوسرے جسمانی سزا بچوں کے اخلاق و کردار پر بھی منفی اثر ڈالتی ہے۔ منصب پیغمبری کے امین اساتذہ کو یہ حقیقت کوئی کیونکر جگر کھول

کر سمجھائے کہ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے اور بدلہ نہ لینے سے بے چین اور مضطرب دل کو سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور طلبہ کو نیکی بھلائی اور صراط مستقیم کی طرف لانا ہی معلم کی اخروی نجات کا باعث ہے۔ اگر یہ استاد معمولی معمولی لغزشوں پر سزا دینے اور مار پیٹ پر اتر آئے تو طلبہ معاف کرنے کا درس کس سے سیکھیں گے؟ اور شاید وہ خود زندگی میں کسی دوسرے کی کوئی غلطی معاف نہ کریں گے۔ اس لئے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبہ کے مسائل کے اصل اسباب ومحرکات کا کھوج لگا کر اصلاح کی تدبیر کریں تاکہ بچے تعلیمی سرگرمیوں اور نیکی وفلاح کے راستے کی طرف آنے سے بددل نہ ہونے پائیں۔ راقم الحروف کی ذاتی زندگی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک طالب علم نے نہ صرف دو طلبہ سے بدتمیزی وبدکلامی کی بلکہ انہیں مارا پیٹا بھی اور یہ دھمکی دی کہ وہ یہاں سال دوئم کے طلبہ کے اعزاز میں دی جانے والی الوداعی تقریب بھی منعقد نہ ہونے دے گا۔ چنانچہ تمام ٹیچرز نے اس طالب علم کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ راقم الحروف نے اس طالب علم کو علیحدہ کمرے میں بلا کر پیار ونرمی سے سمجھایا اور اسے باور کرایا کہ اس کے کلاس فیلوز اس کے ساتھی اور بھائی ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ یہ لمحات یاد کیا کریں گے اور یہ کہ بہ حیثیت مسلمان یہ قطعاً زیب نہیں دیتا کہ ہم رخصت ہونے والے سینئر ساتھیوں کے اعزاز میں پارٹی کا اہتمام نہ کر سکیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس طالب علم نے نہ صرف ان دو طلبہ سے بلکہ پوری کلاس سے معافی مانگی پارٹی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور راقم الحروف کا شکریہ ادا کیا۔ جس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ حقیقی کارساز وہی ہے۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ "معلم کو چاہیے کہ اپنے شاگرد پر اور باپ اپنے بیٹے پر قہر واستبداد کا مظاہرہ نہ کرے اور نہ جور وستم کے بل پر تربیت کرے" بہ حیثیت استاد آپ نے یہ منظر دیکھا ہوگا طلبہ چپ چاپ کلاس روم میں بیٹھے اپنے استاد کی طرف محبت اور شفقت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ پوری توجہ اور دلچسپی سے معلم کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ یقین کیجیے ان کی اصلاح وتربیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ سے ضرور پوچھے گا۔ یہ طلبہ ایک استاد کے لئے خدا کا انعام ہیں۔ اس انعام کی قدر کیجیے۔ اپنی غفلت، سستی، بدمزاجی، بدسلوکی اور بدزبانی سے اس انعام کو ضائع نہ کیجیے۔ اپنے طلبہ کو اس طرح پڑھائیں کہ وہ بہترین سیرت وکردار کے حامل انسان بن کر دنیا کے لئے رحمت ثابت ہوں اور آپ کے لئے نیک نامی اور آخرت کی سرخروئی کا باعث بنیں۔

روزنامہ ڈان کراچی ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء کی اشاعت میں ڈاکٹر ارشاد اے سیٹھی لکھتے ہیں کہ دو خواتین ان کے کلینک پر ایک بچہ کو لائیں جس کا بایاں بازو دو جگہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ بچہ پیدائشی بائیں ہاتھ سے لکھتا ہے مگر استاد نے اس ’’غلطی‘‘ پر اس کا بایاں ہاتھ توڑ دیا کہ اسے دائیں ہاتھ سے لکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر ارشاد لکھتے ہیں کہ انہوں نے استاد کو سمجھایا کہ جو بچے بائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں ان کا طبعی رجحان دائیں جانب ہوتا ہے اور جو دائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں ان کا بائیں جانب ہوتا ہے لہذا اس فطری تقسیم کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کام کرنے والے مجبور ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سیٹھی لکھتے ہیں کہ میری بات سے استاد نے اتفاق نہ کیا اور کہا مسلمانوں کو لکھنے اور کام کرنے کے لئے دایاں ہاتھ ہی استعمال کرنا چاہیے یعنی ڈنڈے کا استعمال ترک کرنے کا مطلب ہے بچے کو تباہ کرنا‘ آخر میں ڈاکٹر سیٹھی لکھتے ہیں کہ بچے کا زخمی ہاتھ ٹھیک ہوگیا ہے اور دوبارہ ڈنڈے کھانے کے لئے مدرسے جانے لگا ہے۔ ’’مار پیٹ‘ تشدد‘ بے جا تنقید‘ ہتک آمیز رویہ اور گالی گلوچ طالب علموں کے ذہن میں منفی رویوں کو جنم دیتے ہیں۔ وحشیانہ جسمانی سزا سے بچے ذہنی مریض بن جاتے ہیں۔ ان کے ذہن میں استاد اور مدرسہ سے خوف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ پڑھنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں ذہنی پستی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔‘‘

اس سلسلے میں اساتذہ کرام کو اپنی غصہ ور طبیعت کو بدلنا ہوگا۔ بعض اساتذہ میں غصہ ایک عادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ بات بے بات بگڑنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غصہ اندھیرا ہے۔ یہ شیطان کا کارگر ہتھیار ہے۔ غصے میں انسانی عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ غصے کا حاصل پچھتاوا اور ندامت ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنے مزاج پر قابو رکھیں اور زبان اور الفاظ کا استعمال سوچ سمجھ کر کریں۔ ان کی گفتگو میں سختی‘ گالی‘ طنز‘ دھمکی نہیں ہونی چاہیے۔ یقین جانیے شہد بیچنے کے لئے بھی میٹھی زبان کا ہونا ضروری ہے اور معلم نے تو طلبہ کی سیرت و کردار کی تشکیل کا اہم فریضہ سرانجام دینا ہے۔ اس مضمون کا مقصد تعلیمی اداروں میں سزاؤں کی صورت حال کا جائزہ لے کر اساتذہ کو ان کا عظیم مربیانہ کردار یاد دلانا ہے کہ وہ اپنے زیر سایہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ سے نرمی و محبت کا رویہ اپنائیں لیکن اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اوقات مناسب سزا نہ دینے سے بھی بہت خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ جزا و سزا کا تصور مسلمہ اصول کی حیثیت

رکھتا ہے۔ تعریف اور گرفت' انعام اور احتساب اپنے اثرات رکھتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں چند سزائیں تجویز کی جاتی ہیں جو کہ بحالت مجبوری روا رکھی جا سکتی ہیں۔ اساتذہ طلبہ کی عمر' نفسیات اور موقع محل کے مطابق سزا تجویز کر سکتے ہیں۔ بہر حال سزا میں تکلیف اور تحقیر ہرگز نہ ہو اور سزا کا مقصد جذبہ اصلاح ہونا چاہیے۔ سب سے بہتر طرز عمل یہ ہو گا کہ طالب علم کی توجہ کسی مثبت کام کی طرف مبذول کروائی جائے' ڈاکٹر خورشید احمد کہتے ہیں کہ "اگر سزا دینی ہی ہے تو ایسے طریقے سے دی جائے کہ طالب علم کی انا مجروح نہ ہو۔ اچھی کارکردگی پر تعریف کرنے اور برے طالب علم کو نظر انداز کرنے سے بھی سزا کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ سزا کے مستحق طالب علم کو دوسروں سے ایک اسائنمنٹ زیادہ دی جا سکتی ہے۔ چھوٹے بچوں کو زیادہ ہوم ورک دے کر بھی سزا کا مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔"

۱۔ انتہائی شریر اور دوسرے طلبہ کو تنگ کرنے والے بچوں کو روزانہ سزا دینے کی بجائے ٹاسک اسائنمنٹ یعنی کوئی نظم' حمد' نعت یا کتابی سبق یاد کرنے یا پھر کوئی قرآنی سورت حفظ کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے تا کہ ان کی توجہ شرارت سے ہٹ جائے۔

۲۔ جسمانی ورزش کے لئے ۱۰ یا ۲۰ ڈنٹ نکالنا یا گراؤنڈ کے دو چکر دوڑ کر لگانا بھی مناسب ہو گا۔

۳۔ لڑائی کرنے والے طلبہ کو وضو کرا کے دو دو نوافل پڑھنے کے لئے کہنا' اللہ سے معافی منگوانا اور باہمی صلح کرانا شامل ہے۔

۴۔ کسی خاص موضوع پر دوسرے روز مضمون لکھ کر لانا اور کلاس کو سنانا چھوٹے بچوں کو دو تین صفحات خوش خطی لکھنے کے لئے کہنا اس طرح وہ خاموشی سے لکھنے کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اچھے شہریوں سے اچھا معاشرہ تربیت پاتا ہے۔ اچھے اور باصلاحیت شہری فراہم کرنا معلم کی ذمہ داری ہے اگر طلبہ کے اخلاق اعلیٰ' عقائد پختہ' تصورات واضح اور عادات مثالی ہوں تو لازماً وہ اچھے شہری ثابت ہوں گے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ نرمی و شفقت سے اجتماعی ماحول کو سازگار بنائیں۔ طلبہ میں خوف کی بجائے ذوق پیدا کریں اور کوئی غلطی دیکھیں تو محبت اور دلسوزی سے سمجھائیں تا کہ تعلیمی اداروں سے ذہین اور صالح افراد تیار ہو کر ملک و قوم کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیں۔

معاشرتی رکاوٹیں اور معلم

کبھی کبھی شاید آپ کے دل میں یہ خیال آتا ہو کہ کاش میں ٹیچر بننے کی بجائے ڈاکٹر یا انجینئر بن گیا ہوتا۔ ٹیچر بننے سے تو بہتر تھا کہ میں وکیل یا بینک منیجر بن گیا ہوتا۔ یا کسی تھانیدار کا بنگلہ دیکھ کر آپ سوچتے ہوں کہ کاش میں بھی محکمہ پولیس کا افسر ہوتا۔ یا کسی بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور پر نظر پڑتے ہی آپ کا دل مچل اٹھتا ہو کہ کاش میں بزنس کی دنیا میں قدم رکھتا تو آج کروڑوں میں کھیلتا۔ کسی سرمایہ دار کی بڑی پیجارو دیکھ کر آپ ٹھنڈی آہ بھر کر سوچتے ہوں کہ کاش میرے پاس بھی ایسی ہی خوبصورت آرام دہ گاڑی ہوتی۔ شاید ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے سے یہ خیال بھی آتا ہو کہ کاش میں نے ایف ایس سی کرنے کے بعد فلاں دوست کا مشورہ مان لیا ہوتا تو آج میں ٹیچر نہ ہوتا بلکہ مقابلے کا امتحان پاس کر کے انتظامیہ کا بڑا سربراہ ہوتا۔

ناکام تمنا دل اس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا، یوں ہوتا تو کیا ہوتا

مندرجہ بالا تمام خیالات میں درد و غم کے جذبات بھی ہیں اور پچھتاوا بھی، حسرت و ناکامی کا احساس بھی ہے اور پشیمانی اور افسوس کا اظہار بھی۔ یقین کیجیے دنیا کی زندگی ناشکروں سے بھری پڑی ہے۔ آپ جن لوگوں کی دولت، امارت، جائیداد، اختیارات، وسائل، گاڑیاں، بنگلے اور ٹپ ٹاپ دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ کاش کوئی اچھا ٹیچر مل جائے تو ہم اپنے بچے اس کے حوالے کر دیں تاکہ وہ انہیں بہتر تعلیم و تربیت اور اچھے اخلاق سے نوازے۔

انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اسے جو مہلت عمل زندگی کی صورت میں دی گئی ہے وہ اس کے لمحے، گھنٹے اور دن مہینے ہی ضائع نہیں کرتا بلکہ بیکار خیالات اور فضول مشاغل میں کئی کئی سال بلکہ پوری زندگی ضائع کر دیتا ہے۔ کبھی حالات کا شکوہ، کبھی احباب سے شکایت، کبھی مہنگائی کا رونا،

کبھی افسران محکمہ سے گلہ، غرض مہلت زندگی تیزی سے کم ہوتی رہتی ہے اور انسان ساری زندگی اپنے نصیبوں کو روتا رہتا ہے۔ بھلا سوچئے کیا یہ طرز عمل صحیح ہے؟ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

؎ خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

جس طرح گھڑی بنانے والا موجد یہ جانتا ہے کہ گھڑی کا کون سا پرزہ کہاں فٹ بیٹھتا ہے۔ اس طرح اس کائنات کا خالق و مالک جو اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے یہ جانتا ہے کہ فلاں شخص کی صلاحیتوں کو کب اور کہاں کہاں استعمال کرنا ہے۔ ہماری ذہنی، جسمانی، قلبی، روحانی، نفسیاتی اور فکری صلاحیتیں رب ذوالجلال کی عطا کردہ ہیں، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میرا فلاں بندہ فلاں کام بہتر طور پر سرانجام دے گا۔

؎ جو بے خبر رہے بھی باخبر ہے وہی خدا ہے

آپ خاطر جمع رکھیے۔ آپ ہرگز بدنصیب نہیں ہیں۔ آپ بالکل محروم نہیں ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کروڑوں انسانوں میں سے منتخب کرلیا ہے اور آپ کو معلم کی عظیم اور شاندار ذمہ داریاں عطا کی ہیں۔ شیطان کے پرفریب جالوں سے بچیئے، شیطان کا کام دلوں میں وسوسے ڈالنا اور انسان کے برے اعمال اور گھناؤنے جرائم کو خوشنما اور حسین بنا کر دکھانا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے منصب معلمی کی قدر کیجیے اور اپنے طلبہ کی بہتر تعلیم و تربیت پر توجہ دیجیے تاکہ وہ آپ کے ذریعے ہدایت اور نجات پالیں۔

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے فرمایا اگر تیرے ذریعے ایک شخص بھی ہدایت پا گیا تو یہ تیرے لیے دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔

آپ یقین کیجیے جو حیثیت، مقام، مرتبہ، مال و دولت، جائیداد، اختیارات اور منصب آپ کو نہ مل سکا وہ آپ کا تھا ہی نہیں۔ آپ کی جو خواہشیں پوری نہ ہوسکیں اس میں بہتری تھی۔ آپ معلم بننے کے اہل تھے۔ آپ میں راست بازی، نیکی اور دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت تھی، اللہ پاک نے آپ کو معلمی عطا کردی۔ اب وقت ضائع کرنے کی بجائے اس منصب کی ذمہ داریاں سمجھئے اور عمل کیجیے۔

دنیا کی زندگی کے عجب رنگ ڈھنگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے، کسی پہلوان کو مضبوط جسم دیتا ہے تو اسے دماغی صلاحیت کم دیتا ہے۔ کسی کو دولت دیتا ہے تو علم کم دیتا ہے۔ کسی کو علم و عزت دیتا ہے تو

جائیداد کم دیتا ہے۔ کسی کو نابینا بنا دیتا ہے تو اس کے سینے میں قرآن پاک (حفظ) محفوظ کر دیتا ہے۔ کوئی بڑا عالم دین ہوتا ہے تو جسمانی صحت کے لحاظ سے بڑا کمزور ہوتا ہے۔ کوئی شکل و شباہت کا اچھا ہوتا ہے تو کردار کا کمزور ہوتا ہے۔

ہوسکتا ہے آپ دولت مند اور صاحب جائیداد بن کر زانی اور شرابی بن جاتے' آپ اپنے ہنستے بستے گھرانے سے دور ہو جاتے' ذہنی انتشار کا شکار رہتے اور قلبی اطمینان سے محروم ہو جاتے۔ آپ لاکھ بار شکر الحمدللہ پڑھیے کہ آپ کے پاس دولت نہ سہی اطمینان قلب تو ہے' گاڑی اور بنگلہ نہ سہی وقت سے پہلے کھانے کو ملتا ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو رزق حلال سے نوازا ہے' صحت و تندرستی عطا کی ہے اولاد اور مخلص دوست واحباب دیے ہیں۔ آج کل کے دور میں شریف اور مہذب دوستوں کی مجلس بہت بڑی نعمت ہے' پھر اللہ پاک نے آپ کو علم' شعور' خدمت خلق اور جذبہ اصلاح عطا فرما کر آپ پر احسان عظیم کیا ہے۔ یقین کیجئے تھانیدار کو لوگ سامنے جی جی کہتے اور بعد میں اسے گالیاں دیتے ہیں' مگر معلم کی شان یہ ہے کہ لوگ دل سے اس کا احترام کرتے ہیں۔ محلہ اور گاؤں میں اسے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خصوصاً دیہاتوں میں استاد چونکہ نسبتاً زیادہ پڑھا لکھا اور باخبر شہری ہوتا ہے' اس لئے بطور ثالث' مصلح' امین' مشیر اور قائد کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے خصوصاً شادی بیاہ کے موقع پر معلم کے مشوروں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ سماجی خدمت کے کاموں میں معلم کو فوقیت دی جاتی ہے۔ گلی محلے کے باہمی جھگڑے نمٹانے میں معلم ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حتی کہ ہمارے ذرائع ابلاغ ٹیلی ویژن کے ڈراموں میں بھی پروفیسر اور اساتذہ کو معزز اور پیشہ تدریس کو اعلیٰ درجہ حاصل ہے۔ معلم کو معاشرے کا ایک معزز اور شریف شہری سمجھا جاتا ہے۔ غرض معلم اگر اپنے فرائض سے آگاہ ہے اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت میں مخلص ہے تو پورا معاشرہ اس کی عزت واحترام پر مائل نظر آتا ہے۔

معلم جن امیر لوگوں کی امارت اور دولت سے مرعوب ہوتا ہے ایسے لوگوں نے نفس پرستی' تن آسانی' بدکاری' شراب نوشی اور لہو ولعب کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔ یہ لوگ چند سال عیاشیوں میں گزار کر مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر دنیا کے لئے عبرت بن جاتے ہیں۔ اور ایسے حالات میں عیاش امراء کا یہ طبقہ ان لوگوں کو حسرت ویاس سے دیکھا کرتا ہے جو صبر وسکون سے پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نماز' روزہ' قرآن فہمی اور مہذب محفلوں میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں جو جھوٹ' فریب' سازشوں اور جوڑ توڑ

سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور جن کا زیادہ تر وقت سماجی بھلائی کے کاموں میں صرف ہوتا ہے۔

لہذا کمر ہمت باندھیے' معلمی کے منصب پر فخر کیجیے' جو کچھ رب ذوالجلال نے عطا کیا ہے اس پر شکر ادا کیجیے' طلبہ کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیجیے' رفقائے کار سے تعلقات بہتر بنائیے اور محلہ' گاؤں میں اپنا مجاہدانہ کردار ادا کیجیے' زندگی تیزی سے گزرتی چلی جا رہی ہے' عقلمند وہی ہے جو اس زندگی میں بیکار کڑھتے رہنے کی بجائے عمل کا بیج بو دے تاکہ آخرت میں بہترین فصل کاٹ سکے (اللہ اکبر)

تعلیمی اداروں میں نقل کا رجحان اور اساتذہ

بدقسمتی سے تعلیمی اداروں میں امتحانات کا نظام انتہائی بگڑ چکا ہے' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صورت حال زیادہ ہی دردناک ہے۔ طلبہ دھونس' دھمکی' رشوت اور سفارش کے ذریعے بغیر محنت کے پاس ہونا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ سب نظام تعلیم کا کیا دھرا ہے لیکن معیار تعلیم کی پستی کے جرم میں کچھ اساتذہ بھی شامل ہیں۔ جو امتحانات کے دوران خود نقلیں فراہم کرتے ہیں یا کلاس روم میں نقل کے جدید طریقے بتاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا وہی اساتذہ کرتے ہیں جو کسی لحاظ سے بھی معلمی کا عظیم فریضہ سرانجام دینے کے لائق نہیں۔ امتحانات میں نقل فراہم کرنا' سفارش سننا یا رشوت قبول کرنا طلبہ کی انسانی اور اخلاقی صلاحیتوں کے قتل عام کے مترادف ہے۔ دوسرا طلبہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب امتحان نقل کے ذریعے پاس ہو سکتا ہے تو محنت کی کیا ضرورت ہے۔ بہ حیثیت مسلمان استاد امتحانات میں اپنی ذمہ داری پوری دیانت داری اور راستبازی سے سرانجام دیں۔ بڑی سے بڑی آزمائش' لالچ' خوف' دولت' دھمکی اور سفارش آپ کو دیانتداری کی راہ سے نہ ہٹا سکے۔ آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے یہ نیکی کا راستہ ہے اس لئے اس راہ میں مشکلات' تکالیف' نقصانات اور خوف و لالچ کے مواقع اگر پیش آئیں تو آپ کا پائے استقلال ہرگز نہ ڈگمگانے پائے۔ ہمیشہ معمولی اور چار پیسوں کے فائدہ کی بجائے مخلوق کی خدمت اور اللہ کی رضا کو سامنے رکھیں۔

ایک کالج کا واقعہ ہے کہ کالج کے سربراہ ایک لڑکے کے ہمراہ ایک ٹیچر کے کمرے میں گئے اور کہا کہ یہ لڑکا کل امتحان ہال میں پرچہ کرے گا۔ اس کی شیٹ امتحان ہال سے باہر آئے گی اور آپ اسے حل کریں گے۔ ٹیچر نے صاف انکار کر دیا اور سخت لہجے میں پرنسپل صاحب کو کہا کہ میں بہ حیثیت استاد ایسی بددیانتی کا مرتکب نہیں ہو سکتا اس پر پرنسپل صاحب ناراض ہو کر چلے گئے۔ اس بات کو چھ سال کا عرصہ

گزر گیا، ایک دن وہی ٹیچر بجلی کا میٹر درست کروانے کے لئے درخواست لے کر واپڈا کے دفتر پہنچا اور افسر کے سامنے درخواست رکھی، تو اس نے کہا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ ٹیچر نے جواب دیا، نہیں تو اس افسر نے کہا میں وہی لڑکا ہوں جس کا پرچہ کرنے سے آپ نے انکار کیا تھا۔ آج میں اس محکمہ میں ایس ڈی او ہوں ۔ سات سال پہلے آپ نے میرا کام کرنے سے انکار کر دیا تھا آج میں آپ کا میٹر کیسے درست کروادوں؟ ٹیچر نے کہا کہ مجھے آپ کی اس بات سے کوئی افسوس نہیں ہوا۔ جو طالب علم درسگاہوں سے جعلی ڈگریاں لے کر نکلتے ہیں ان سے کسی اچھے کام کی توقع نہیں کی جاسکتی اور اس افسر کو یہ سمجھا دیا کہ تم ایک ایس ڈی او ہو معاشرے کو جتنا بگاڑنا چاہو، اس میں مزید بگاڑ پیدا نہیں کر سکتے، کیونکہ معاشرہ پہلے ہی بہت بگڑ چکا ہے۔ لیکن اگر میں بہ حیثیت استاد بگڑ جاؤں تو پوری کلاس بگڑ جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اساتذہ چاہیں تو امتحانات سے نقل کے رجحانات کا سدباب کیا جاسکتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اساتذہ محنت اور لگن سے اپنے طالب علموں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیں۔ امتحانات میں نقل اور سفارش کا بڑھتا ہوا رجحان موجودہ نظام تعلیم کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ نقل سے سند کا حصول طلبہ کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل بنتا جا رہا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ نقل کا بڑھتا ہوا رجحان درحقیقت تعلیم پر شب خون مارنے کے مترادف ہے۔ اس مسئلے کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نگران عملہ کی ملی بھگت سے ہی طلبہ نقل کرتے ہیں۔ اگر نگران عملہ اپنے رویے میں سختی پیدا کرے تو کوئی طالب علم نقل کی جرأت نہیں کر سکتا۔ امتحانات میں نقل کے بڑھتے ہوئے رجحان کے بارے میں جب ایک طالب علم سے شکایت کی گئی تو اس نے کہا کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ طلبہ امتحان ہال میں نقل لگاتے ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ نقل کے لئے نرم فضا کون پیدا کرتا ہے۔ نقل کی اجازت کون دیتا ہے؟ یقیناً امتحانی عملہ یہ سب کچھ کرتا ہے اور وہ اساتذہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس طالب علم نے کہا کہ بے شک کچھ طالب علم پیپرز کے بعد ممتحن کے گھر جا کر پیسے اور سفارش سے نمبر لگوا لیتے ہیں۔ لیکن سفارش سنتا کون ہے؟ نمبر لگاتا کون ہے؟ یقیناً وہ استاد جو پرچے (MARK) کرتا ہے، عملی امتحان (Practical) کے دوران استاد ہی کئی طالب علموں کے نمبر لگوانے کے لئے سفارش کرتے اور سنتے ہیں۔ لہذا امتحانات کے انعقاد اور پیپرز کی (MARKING) کے وقت بھی استاد اہم کردار ادا کرتا ہے۔

”تعلیمی انحطاط کے اسباب“ کے صفحہ ۵۰ پر پروفیسر سید محمد سلیم لکھتے ہیں کہ ”اب حالات یہ

ہیں کہ امتحان کے پرچے وقت سے پہلے پچاس پچاس روپے میں فروخت ہوتے ہیں۔ امیدوار کی جگہ دوسرا شخص امتحان میں بیٹھ جاتا ہے۔ امتحان کی کاپی تبدیل کر دی جاتی ہے۔ سیل مہر سب توڑ دی جاتی ہے۔ پھر ویسی ہی لگا دی جاتی ہے۔ ممتحن حضرات طالب علم کی لیاقت اور قابلیت کے نمبر نہیں دیتے ہیں۔ علاقائی اور سیاسی تعصبات اقرباء پروری اور دوست نوازی کی بنا پر نمبر دیے جاتے ہیں اور اہل طلبہ کو پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔"

مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ امتحان کی ڈیوٹی انتہائی دیانتداری سے سرانجام دے اور پرچوں کی مارکنگ کے وقت پورے انصاف سے نمبر لگائے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ امتحانات کے دوران نقل وہی طالب علم کرتے ہیں جو سارا سال اپنا وقت فضول کاموں میں صرف کر دیتے ہیں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو فضول کاموں مثلاً جاسوسی ناول اور رسالوں کا پڑھنا یا ہر وقت کھیل کود میں لگے رہنا یا یونہی گلیوں' بازاروں میں آوارہ گردی کرنے جیسے بے مقصد کاموں سے باز رکھے۔ انہیں محنت سے پڑھائے۔ اگر وہ نہ پڑھیں تو نرمی سے سمجھائے۔ ان کا وقتاً فوقتاً ٹیسٹ لیتا رہے۔ ہر طالب علم پر انفرادی توجہ دے' انہیں گھر کا کام دے' اس طرح (Indirectly) طلبہ کو امتحان کی تیاری کرواتا رہے تو امید ہے کہ ان تدابیر سے طلبہ امتحان میں نقل کرنے سے باز رہیں گے۔

باب نمبر: ۹

طلبہ اور معلم

باب نمبر:۹

طلبہ کی ناپسندیدہ عادتیں اور معلم

طلبہ قوم کا عظیم سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کے کردار کی تعمیر اگر اچھی ہو گی تو یہ بڑے ہو کر ملک وقوم کے لیے بہترین افراد ثابت ہوں گے' لیکن اگر ان کی تربیت میں کوتاہی برتی گئی تو یہ معاشرے کے لئے معاون ثابت نہ ہوں گے۔ آج کل یہ بات عام ہے کہ طلبہ ضدی' ہٹ دھرم اور گستاخ ہوتے جا رہے ہیں' اساتذہ کو شکوہ ہے کہ طلبہ ان کی عزت نہیں کرتے' محنت سے جی چراتے ہیں' سست اور لاپرواہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹے اور فضول خرچ بھی ہیں۔ اکثر والدین کو شکایت ہے کہ ان کی اولاد اپنا وقت پڑھائی پر صرف کرنے کی بجائے ناول' افسانے اور رسالے پڑھنے میں صرف کرتی ہے' بناؤ سنگھار اور فیشن پرستی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ لباس' جوتوں سے لے کر رومال' عینک' گھڑی اور جرابوں تک میں فیشن کے دلدادہ ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ ریڈیو کے فحش گانوں اور ٹیلی ویژن کے اخلاق سوز ڈراموں نے ان کا اخلاقی دیوالیہ نکال دیا ہے۔ موسیقی کے اس قدر رسیا پاس کہ اگر بھولے سے کبھی پڑھنے بیٹھتے ہیں تو بھی Tape پر گانے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ بیشتر افراد کو گلہ ہے کہ طلبہ نصابی کتب پر توجہ نہیں دیتے بلکہ سیاست بازی اور بے مقصدیت نے انہیں چھوٹے بڑے کی تمیز بھلا دی ہے' غرض آج معاشرے کا ہر فرد نئی نوجوان نسل کے بگڑے ہوئے اخلاق' کمزور کردار اور مذہبی بے راہ روی کا شکوہ کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن سوچنے کا مقام ہے کہ بھلا وہ نسل اخلاق و کردار کے زیور سے کیسے آراستہ ہو سکتی ہے' جس نے معلمین سے اخلاقیات کا کوئی سبق سیکھا ہی نہیں' وہ نوجوان دوسروں کے حقوق کا احساس کیسے کر سکتے ہیں جن کو کسی نے حقوق کا احساس دلایا ہی نہیں' وہ اولاد کیسے ماں باپ کی خدمت کر سکتی ہے جس کو کبھی یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ والدین کی خدمت' ادب اور احترام اولاد کے لیے عبادت کا درجہ رکھتا ہے' وہ شخص کیسے خیانت' بدکاری' چوری اور ناانصافی سے باز رہ سکتا ہے' جسے آخرت کی باز پرس کا احساس تک نہ

ہو، اگر نئی نسل کو محبت، اخوت، رواداری اور مذہب کی تعلیم و تربیت نہیں دی گئی تو وہ کسی سے ہمدردی، محبت اور خدمت بجالانے کی بات کیوں کر سوچے؟ معاشرے کو نئی نسل سے وہی توقعات رکھنی چاہئیں جن کے لیے انہیں تیار کیا گیا ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اخلاق، دیانتداری اور ایثار قربانی کا بیج تک نہ بویا جائے اور ہم کسی تعمیری کام کی امید لگا بیٹھیں۔

اگر چہ طلبہ کی سیرت و کردار کے بگاڑنے اور سنوارنے میں اساتذہ کے علاوہ معاشرہ، نظام تعلیم، دوست واحباب، رشتہ دار اور حکومت کا رویہ بھی ملوث ہے۔ لیکن ہم صرف اساتذہ کے کردار اور ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتے ہیں کیونکہ اگر معلم چاہے تو طلبہ کی سیرت و کردار اور عادت کو سنوار سکتا ہے۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ میں پسندیدہ عادات واطوار کو پیدا کرنے اور ناپسندیدہ عادات کو ترک کرنے کا پورا اہتمام کرے۔

بعض بچوں میں کچھ ناپسندیدہ عادات ہوتی ہیں۔ ان بری عادات میں آوارہ گردی کرنا ہے دوکانداروں کی اشیاء اڑانا، محلوں کے دوسرے بچوں کو تنگ کرنا، مارنا والدین کا کہنا نہ ماننا وغیرہ استاد ان بری عادات کو کمال حکمت اور نرمی سے درست کرسکتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بری صحبت اور بری عادات طلبہ کی تعلیم پر بھی بے حد اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر کسی لڑکے کی دوستی، نالائق، کام چور اور جھگڑالو قسم کے لڑکے سے ہوتی تو وہ بھی یہی عادات اپنائے گا۔ مسٹر ڈرائی ڈن برکا کہنا ہے کہ:

''پہلے ہم اپنی عاداتیں بناتے یا بگاڑتے ہیں اور پھر یہی عادتیں ہمیں بناتی یا بگاڑتی ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ طلبہ کی ناپسندیدہ عادتوں کو کمال حکمت سے درست کرنا معلم کی اہم ذمہ داری ہے۔ کیونکہ اگر کسی طالب علم میں کوئی بری عادت مستحکم ہوگئی تو وہ ساری زندگی جان نہیں چھوڑتی اور وقت کے ساتھ ساتھ مزید مستحکم ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر سموئیل جانسن کا کہنا ہے کہ:

''عادت کی زنجیریں دیکھنے میں کتنی چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن آہستہ آہستہ اتنی مستحکم اور بڑی ہوجاتی ہیں کہ ساری زندگی توڑے نہیں ٹوٹتیں۔''

اس سلسلے میں معلم کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ طلبہ میں پاکیزگی وطہارت کی عادت پیدا کریں۔ کیوں کہ ایک پاک صاف جسم کے اندر ہی صاف ستھرا ذہن ہوسکتا ہے۔

''طلبہ میں یہ شعور پیدا کرنا کہ وہ اللہ کے سپاہی ہیں اور دنیا میں ان کے آنے کا مقصد یہ ہے

کہ اللہ کی دنیا کو خوب سے خوب تر بنائیں۔ وہ اپنے کمرے گھر گلی مدرسہ اور مکان کے ماحول کو صاف اور خوبصورت بنانے اور رکھنے میں مدد کریں۔ اپنے جسم، کپڑوں اور استعمال کی دوسری چیزوں کی مناسب دیکھ بھال کریں اور انہیں صاف ستھرا رکھیں۔'' عمرانی علوم کی تدریس کا نظریاتی پہلو صفحہ ۴۶۔ از عبدالقدیر سلیم

صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بتایا جائے کہ والدین اساتذہ بزرگوں اور دوستوں سے رویہ رکھیں۔ کس طرح گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹائیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں اور گلی محلے کے ساتھیوں سے مل جل رہنے کے بارے میں آگاہ کیا جائے۔

طلبہ کو صرف نصابی کتب پر ہی توجہ نہ دینی چاہیے بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دیجیے تاکہ وہ جسمانی طور پر صحت مند رہیں۔

''ماہرین نے محتاط مشاہدے کے بعد اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ غیر معمولی طور پر ذہین طلبہ سکول سے باہر کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ وہ کلبوں کے ممبر بنتے ہیں۔ کھیلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ سکولوں کے اخبار میں کام کرتے ہیں۔ مختلف قسم کی کمیٹیوں میں شامل ہوتے ہیں۔ غرض ایسی بے شمار سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں جن کے ذریعے انہیں دوسرے بچوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ ایسے بچے بہت خوش رہتے ہیں اور ان کے دوست بھی بہت ہوتے ہیں۔'' (روتھ کارسن)

طلبہ کسی بھی ملک کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں جس طرح جسم انسانی میں دل کی حیثیت ہے اسی طرح ایک ملک میں نوجوان طلبہ یہی مرتبہ رکھتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ملک وقوم پر آڑے وقت میں نوجوان طلبہ کا کردار نا قابل فراموش رہا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قوموں کی قسمت کا دار و مدار اور مستقبل کا انحصار اس کے طالب علموں پر ہے جنہوں نے مستقبل میں قومی ذمہ داریوں کو اٹھانا ہے۔

چنانچہ ضروری ہے کہ طلبہ کا مزاج سلجھا ہوا، نظریات اسلامی، دل و دماغ مومنانہ اور عادات اچھی ہونی چاہئیں۔ مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کی عادات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا اہم فریضہ سرانجام دے۔

اچھی عادات کیسے پیدا کی جائیں

مشہور مقولہ ہے کہ ''عادت فطرت ثانیہ کا درجہ رکھتی ہے۔ شروع شروع میں عادت اتنی پختہ

نہیں ہوتی لیکن جب یہ جڑ پکڑ لے اور اس کا بار بار اعادہ ہوتا رہے تو یہ پختہ تر ہو جاتی ہے۔ معلم کا فریضہ ہے کہ طلبہ میں اچھی عادات پیدا کرے کیونکہ عادتیں پختہ ہو کر انسانی سیرت کا ایک مستقل حصہ بن جاتی ہیں۔ عادتیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی، آپ طلبہ میں اچھی عادات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۱۔ طلبہ اور خصوصاً کم عمر بچے فطرتاً نقال ہوتے ہیں۔ وہ بڑی تیزی اور مہارت سے والدین، بڑے بھائیوں، دوستوں، رشتہ داروں اور معلمین کی گفتگو تکیہ کلام اور عادات کو اپنا لیتے ہیں۔ اگر استاد راستبازی، نظم و ضبط، وقت کی پابندی، صفائی و پاکیزگی اور سلیقہ شعاری جیسی عادات کا ملک ہوگا تو طلبہ میں بھی ایسی ہی عادات پیدا ہوں گی۔

۲۔ اکثر عادتیں پیدائشی نہیں ہوتیں بلکہ ماحول کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں اور بار بار کی مشق سے مستحکم ہو جاتی ہیں۔ نماز کی بروقت ادائیگی، روزانہ تلاوت و ترجمہ کا اہتمام، مطالعے کی عادت، سچ بولنا، خندہ پیشانی سے ملنا، دوسروں کے کام آنا اور دیانت داری و راستبازی جیسی خصوصیات طلبہ کی عادات کا حصہ ہونی چاہئیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان استاد ان خصوصیات کا حامل ہو۔

۳۔ اگر آپ کوئی سبق، خیال یا عادت طلبہ میں راسخ کرنا چاہتے ہیں تو مختلف مثالوں کی مدد سے سمجھائیں اور وقتاً فوقتاً اسے دہراتے رہیں، مگر یہ الفاظ اور مثالیں نئی اور دلچسپ ہونی چاہئیں۔ اچھی عادت پیدا کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ معلم اس کی اہمیت ضرورت اور فوائد سے آگاہ کرے۔

۴۔ طالب علموں کا قول و فعل، اخلاق و کردار، علم و عمل اور عقائد و سیرت استاد کے ذاتی کردار کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ معلم پہلے خود عمل کرے، طلبہ کے لئے نمونہ (Model) ثابت ہوتا۔ کہ وہ پیروی کر سکیں۔

۵۔ طلبہ میں شرم و حیاء، بیداری ضمیر اور ندامت جیسے فطری جذبات مردہ نہ ہونے دیں بلکہ انہیں بیدار رکھا جائے۔

۶۔ انتہائی صبر و استقلال اور حکمت و تدبر سے پسندیدہ عادت ڈلوانے کی کوشش کریں۔

۷۔ محبت اور ہمدردی سے آداب معاشرت اور طور طریقے سکھانے کی کوشش کریں۔

۸۔ طلبہ میں اگر کوئی بری عادت دیکھیں تو لعنت ملامت کی بجائے ہمدردی اور دلسوزی سے اس کا تدارک کیجیے۔

۹۔ طلبہ کو بزرگان دین کے واقعات، اخلاقی کہانیاں، روزمرہ زندگی سے نصیحت آموز واقعات اور قومی ہیروز کے کارنامے سنائیے۔ ان کی روزمرہ معلومات کا امتحان لیتے رہیں۔ تاکہ ان میں نئی نئی معلومات رکھنے کی عادت پیدا ہو۔

۱۰۔ اچھے شہریوں سے اچھا معاشرہ ترتیب پاتا ہے اور اچھے اور باصلاحیت شہری فراہم کرنا معلم کی ذمہ داری ہے۔ اگر طلبہ کے اخلاق اعلیٰ عقائد پختہ تصورات واضح، ارادے اور عادات مثالی ہوں گی تو لازماً وہ اچھے شہری ثابت ہوں گے، مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ طلبہ میں بہترین اور اعلیٰ اخلاق و عادات پیدا کرے اور اپنے تئیں اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ درسگاہ کے اجتماعی ماحول میں بھی معروف کو فروغ اور منکرات کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اگر اجتماعی ماحول سازگار ہوگا تو اچھی عادات پیدا کرنا آسان تر ہو جائے گا۔

تعلیمی ادارہ کی دلچسپیاں

سکول کے کچھ بچوں کو استاد یہ کام سونپ سکتا ہے کہ وہ تازہ اخبار کی خبریں پڑھ کر سنائیں۔ اس طرح تمام طلبہ حالات حاضرہ سے واقف ہو جائیں گے۔ استاد اپنے طلبہ میں مقابلہ مضمون نویسی بھی کروا سکتا ہے مثلاً: ''امتحان کی تیاری کیسے'' ۔ آپ مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں'' ۔ اور'' حصول پاکستان کا مقصد'' وغیرہ جیسے عنوانات کے تحت مقابلہ مضمون نویسی بھی کروا سکتا ہے۔ یا اساتذہ اپنے طور پر بھی کوئی اور عنوان دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں لطیفوں اور پہیلیوں سے بھی بچیوں میں پڑھنے کا ذوق و شوق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ان کا تلفظ اور اردو بول چال میں بھی درستی کر سکتے ہیں اور انہیں کسی واقعہ کی صورت میں نیکی کی ترغیب بھی دے سکتے ہیں۔ بعض بچے گانا گانے کے شوقین ہوتے ہیں، آپ انہیں اخلاقی نظمیں قومی ترانے یا نعتیں پیش کرنے کے لئے کہہ سکتے ہیں۔

کہانیاں بچوں کی پسندیدہ ''ڈش'' ہیں۔ آپ کوشش کریں کہ بچوں کو نت نئی کہانیاں سنائیں جو کہ سبق آموز ہوں۔ علاوہ ازیں ان کی دلچسپی کے لئے آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ بچوں ہی سے کہیں کہ وہ نصابی کتب میں سے کوئی کہانی سنائیں یا کوئی سبق آموز بھی واقعہ سنائیں۔

ان تمام کھیلوں، مقابلوں، لطیفوں اور نظموں سے آپ کا مقصد بہر حال یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ پڑھائی میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔

باب نمبر: ۱۰

اچھا لیکچر کیسے ترتیب دیا جائے

باب نمبر: ۱۰

لیکچر تیار کرنے کے اصول

اکثر تجربہ کار اساتذہ بغیر تیاری کے کلاس میں چلے جاتے ہیں‘ مکمل تیاری کئے بغیر کلاس لینا نہ صرف پیشہ ورانہ بددیانتی ہے بلکہ طلبہ کے ساتھ زیادتی بھی ہے۔ تیاری کا فائدہ یہ ہے کہ معلم کے اندر خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے اور وہ طلبہ کو پوری طرح مطمئن کر سکتا ہے۔ دوسرے ہر سال نئے آنے والے طلبہ کی ذہنی استعداد میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ان سب کو ایک ہی لگے بندھے طریقے سے پڑھانا درست نہیں ہے۔ حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بہت سے واقعات‘ حادثات اور تمثیلات جنم لیتی ہیں۔ معلم کو ان سب کا علم ہونا چاہیے۔ اسے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ جدید مثالوں سے لیکچر تیار کرے اور طلبہ کی نفسیات کے پیش نظر اچھی طرح تیاری کر کے کلاس لے۔ لیکچر کی تیاری کے دوران ایک معلم مندرجہ ذیل اصولوں سے کام لے سکتا ہے۔

۱۔ ہمیشہ میز کرسی پر بیٹھ کر لیکچر تیار کریں۔ لیکچر تیار کرنے کا بہترین وقت رات ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک ہے۔ جب بچوں کا شور نہ ہو‘ آپ اپنی سہولت کے مطابق دن کو بھی فارغ اوقات میں لیکچر تیار کر سکتے ہیں۔

۲۔ اگر کسی ایسے تعلیمی ادارے میں ہیں جہاں آپ کو ایک سے زیادہ مضمون پڑھانے پڑتے ہیں تو ہر مضمون کی تیاری کے لئے وقت مختص کیجیے۔ لیکچر ہمیشہ تنہا بیٹھ کر تیار کیجیے۔ تاکہ آپ زیادہ سے زیادہ سوچ بچار کر سکیں۔ یکسوئی نصیب ہو اور بہتر سے بہتر لیکچر تیار ہو سکے۔

۳۔ جہاں آپ لیکچر تیار کر رہے ہیں وہاں پر مکمل خاموشی اور مناسب ماحول ہونا چاہیے۔ قریبی کمرے سے آنے والی T.V کی آواز اور بچوں کا شور آپ کی یکسوئی میں خلل پیدا کرے گا۔ علاوہ ازیں کسی پریشانی‘ خوف یا ذہنی الجھن کے وقت بھی لیکچر تیار نہ کریں۔ بہرصورت

مکمل خاموشی بہترین لیکچر تیار کرنے کی شرط اولین ہے۔

۴۔ لیکچر تیار کرنے سے قبل متعلقہ موضوع سے متعلق مختلف کتب کا مطالعہ کریں، بی اے اور ایم اے کے اساتذہ کتب کے علاوہ اخبارات، رسائل، رفقائے کار اور شخصی ملاقاتوں Interviews سے بھی مدد لے سکتے ہیں تاکہ لیکچر میں بہترین مواد شامل ہو سکے۔

۵۔ یاد رکھیے آپ جو کچھ کلاس میں کہنا چاہتے ہیں اس کے اہم نکات کو تحریر میں لائیے۔ کلاس میں غیر ضروری باتوں سے گریز کیجیے۔ مختلف مضامین پڑھانے والے اساتذہ اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے لیکچر کی ترتیب خود تیار کر سکتے ہیں۔ بہر صورت مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت آپ اپنی گفتگو کو جامع بنا سکتے ہیں۔

الف۔ عنوان کی تعریف
ب۔ اہمیت و ضرورت
ج۔ اقسام
د۔ فوائد و نقصانات
و۔ نتیجہ

۶۔ طلبہ ایسا لیکچر کم دھیان سے سنتے ہیں، جس میں مثالیں شامل نہ ہوں۔ اس لئے لیکچر میں عملی زندگی سے ربط بڑھانے کے لئے اس میں دلچسپ مثالیں شامل کریں۔

۷۔ لیکچر کی زبان سادہ، رواں اور قدرتی ہو، انداز بیان بے حد دلچسپ اور دلنشین ہو، مشکل الفاظ کے استعمال سے گریز کیجیے تاکہ ابلاغ کے عمل میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

۸۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض مضامین انتہائی تکنیکی خشک اور سپاٹ ہوتے ہیں۔ لیکن استاد اگر ماحول کو نظر میں رکھے، اسے زبان دانی کا شعور، سمجھانے کا سلیقہ ہو، طلبہ کی قوت اثر پذیری جانتا ہو تو وہ ایک خشک مضمون کو بھی دلچسپ بنا سکتا ہے۔ اگر مضمون غیر دلچسپ ہے تو معلم کو چاہیے کہ طلبہ کو مضمون سے پہلے کوئی سا دلچسپ واقعہ سنائے۔ کتنے بچے ہیں جو کہانی یا واقعہ سننے کے شوق میں کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں اور حیرت، دلچسپی اور شوق سے سنانے والے کے نہ صرف الفاظ بلکہ تاثرات کو بھی نوٹ کر لیتے ہیں۔ خشک

مضمون پڑھانے سے پہلے کوئی سا دلچسپ اور نصیحت پر مبنی واقعہ طلبہ کو سنا کر ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیجیے۔ مسلمان معلم روزمرہ زندگی، بزرگوں اور صحابہ ؓ کی زندگی یا تاریخ اسلام سے کوئی بھی واقعہ لیکچر میں شامل کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ چار پانچ منٹ سے زیادہ نہ ہو۔

۹۔ ہر مضمون اسلامی نقطۂ نظر سے پڑھائیں۔ لیکچر میں غیر اخلاقی باتیں شامل نہ ہوں۔ اگر آپ اسلامیات کے معلم نہیں ہیں تو کیا ہوا۔ سیرت کی تشکیل فقط اسلامیات کے معلم کا کام نہیں بلکہ ہر اس معلم کی ذمہ داری ہے جو خود کو مسلمان استاد کہتا ہے۔ طلبہ جب تک مدرسہ میں رہیں اخلاق، ادب، احترام، دیانتداری اور ایثار و قربانی کا سبق سیکھتے رہیں، اپنے لیکچر کو اخلاقی ضابطوں میں فٹ کیجیے۔

۱۰۔ لیکچر تیار کرنے کے دوران ہی طلبہ کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ''ممکنہ سوالات'' کے جوابات سوچیے اور تحریر میں لائیے۔ علاوہ ازیں لیکچر ختم کرنے کے بعد اس کے اہم نکات کو دہرالیں، تاکہ طلبہ کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

اپنی بات کو ہر پہلو سے سمجھا دینے اور دلائل سے مطمئن کر دینے پر ہی اکتفا نہ کیجیے بلکہ کچھ سوالات دے کر طلبہ کو اپنے طرز پر غور و فکر کی دعوت دیجیے۔ تاکہ ان میں فکر و تدبر اور تجسس و تحقیق کی صلاحیتیں بھی اجاگر ہوں۔ اگر تعلیمی زندگی کے دوران طلبہ میں غور و فکر کرنے کی عادت پختہ ہو جائے تو عملی زندگی میں وہ بہت اچھے اور صالح افراد ثابت ہوں گے۔

لیکچر کو دلچسپ اور متوازم کیسے بنایا جائے

کامیاب معلم وہ ہے جو گفتگو کا آغاز کرنے، جاری رکھنے اور ختم کرنے کے لئے فن سے آشنا ہو۔ اس کے لیکچر میں سلیقہ اور توازن ہو۔ وہ الفاظ کا مناسب اور بہتر استعمال کرنا جانتا ہو اور اس میں اتنی قابلیت ہو کہ وہ تلخ حقائق کو بھی شیریں الفاظ استعمال کر سکے۔ طلب علم معلم کی بول چال اور چہرے کے تاثرات سے ایک رائے قائم لیتے ہیں۔ اور عموماً یہ رائے مثبت ہی ہوتی ہے وہ چپ چاپ کلاس روم میں بیٹھے اپنے استاد کی طرف محبت اور شفقت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ پوری توجہ اور دلچسپی سے معلم کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ ایک استاد کے لئے اللہ کا انعام ہے۔ اس انعام کی قدر کیجیے۔ اپنی

غفلت، سستی، بدمزاجی، بدسلوکی اور بدزبانی سے اس انعام کو ضائع مت کریں۔ اپنے طلبہ کو اس طرح پڑھائیں کہ وہ بہترین سیرت و کردار کے حامل ااور پر خلوص انسان بن کر دنیا کے لئے رحمت ثابت ہوں اور آپ کے لیے نیک نامی اور آخرت کی سرخروئی کا باعث بنیں۔ لیکچر روم میں خاموشی اور اچھی فضا کا ہونا بہت ضروری ہے۔ قریبی کمرے میں ہونے والے شور، کرسیوں کی الٹ پلٹ یا دوسری کلاسوں کے طلبہ کی کھسر پھر آپ کے طلبہ کی توجہ لیکچر سے ہٹا سکتی ہے۔ اس لیے لیکچر کے دوران مکمل خاموشی ہونی چاہیے۔ سب سے پہلے لیکچر کے موضوع کا مقصد اچھی طرح واضح کریں تا کہ انہیں اس کی ضرورت اور اہمیت کا احساس ہو، موضوع کی افادیت کے احساس کے بغیر لیکچر دینا بے سود ہوگا۔

سب سے پہلے گزشتہ اسباق کا اعادہ کریں اور اس کے بعد کی غرض و غایت طلبہ کے ذہنوں میں بٹھائی جائے تا کہ وہ موضوع کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھ لیں۔ انداز لیکچر فطرتی ہو۔ یاد رکھیے کہ اگر لیکچر کا انداز دلچسپ نہ ہو تو بہتر مواد بھی بے اثر رہے گا۔

کہتے ہیں کہ ”تختہ سیاہ معلم کا دماغ ہے“ جس پر وہ اپنے خیالات تحریر کرتا ہے۔ تختہ سیاہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایئے۔ یہ آپ کا بہترین معاون ہے۔ تختہ سیاہ پر لکھی ہوئی باتیں طلبہ کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہیں۔ عنوانات ذیلی عنوانات، مختصر نقشے، گراف، خاکے، تختہ سیاہ پر بنا کر طلبہ کو سمجھائے۔ حضور ﷺ ہاتھوں اور انگلیوں کے اشارے سے بات کو سمجھاتے۔ کبھی کبھی آپ ﷺ ریت پر نشانات بنا کر اپنا مدعا واضح فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے زمین پر بہت سے ٹیڑھی لکیریں کھینچیں اور انکے درمیان ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے۔ یہ سمجھانے کا بہترین طریقہ ہے۔

لیکچر کو دلچسپ مثالوں روزمرہ کے واقعات، چارٹ، ڈیاگر، نقشے تصاویر اور ماڈل وغیرہ کے ذریعے موثر بنایا جا سکتا ہے۔ اس امر کا خیال رہے کہ لیکچر روزمرہ زندگی کے مسائل سے مربوط ہونا چاہیے، اور نئی باتوں کو سابقہ معلومات کے ساتھ بتایا جائے۔

طلبہ کے موڈ اور حرکات پر توجہ رکھیے۔ اگر وہ اکتاہٹ محسوس کریں تو تھوڑی دیر کے لئے موضوع بدل دیں یا جتنا پڑھایا ہے اسی پر اکتفا کریں۔ طلبہ پر اپنا لیکچر ٹھونسئے نہیں، اس طرح وہ کچھ بھی نہ سیکھ سکیں گے۔

آپ کا لیکچر اتنا دلچسپ اور مدلل ہوتا ہے کہ طالب علم کے دل پر دستک دے اور اس کے کان اور آنکھ سے دل تک جانے والا راستہ کھل جائے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دلچسپی لے۔ لیکچر کا ایک ہی انداز نہیں ہونا چاہیے' اس میں تبدیلی پیدا کریں۔ ایک ہی لگے بندھے طریقے سے اگر لیکچر دیا جا رہا ہے تو طلبہ بور ہونے لگتے ہیں۔ کوئی بات سمجھانے میں عملی طریقے اختیار کریں۔ دلائل دیں۔ جدید مثالیں لائیں۔ نئے مسائل کا حل بتائیے' دلائل و شواہد' تلقین و تفہیم' تشریح و توضیح اور دیگر میلانات کی مدد سے عملی حالات پر انطباق کیجیے۔

اکثر اساتذہ کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کے طلبہ لیکچر سنتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ لیکچر کی طرف دھیان نہیں دیتے اور معلم کی گفتگو کے دوران ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں۔ جس سے معلم کو بڑی ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں معلم کو اپنے طرز بیان میں زور پیدا کرنا چاہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب معلم کو اپنے علم تجربے اور لہجے پر یقین و اعتماد ہو اور اس کی بات دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ طلبہ آپ کے لیکچر کو پوری طرح سمجھ جائیں تو کلاس روم میں گھٹن کی فضا کو ختم کریں' طلبہ کے ساتھ نرمی اور مسکراہٹ کے ساتھ بات کریں۔ کلاس روم میں درمیانہ لہجہ اختیار کریں نہ اتنا بلند کہ طلبہ پر رعب جمانے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی اتنا آہستہ کہ طلبہ سن ہی نہ سکیں۔ اگر آپ کسی ضروری بات کو طلبہ کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں تو اس بات کو بار بار وقتاً فوقتاً دہرائیں لیکن ہر بار مختلف الفاظ استعمال کریں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ جب بات کرتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے' تاکہ ہمارے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ عام طور پر لیکچر کے چار انداز معروف ہیں:

ا۔ بیانیہ انداز: یعنی آپ لیکچر کو سیدھے سادے طریقہ سے شروع کریں اور عنوان تختہ سیاہ پر لکھ کر اس کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔

۲۔ واقعاتی انداز: یعنی آپ لیکچر کو کسی کہانی یا واقعہ سے شروع کریں' واضح رہے کہ اس واقعے کا مضمون سے نسبت رکھنا ضروری ہے۔ یہ ایک دلچسپ انداز تکلم ہے۔

ج۔ خطابیہ انداز: یہ انداز تقریر سے ملتا جلتا ہے۔ اس میں معلم اس بات کا خیال نہیں رکھ سکتا کہ آیا طلبہ متوجہ بھی ہیں یا نہیں۔

د۔ پرتجسس انداز: مثلاً معلم کلاس میں داخل ہوتے ہی کہے کہ آج میں جو بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ سب اسے جاننا چاہتے ہوں گے، کیونکہ یہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔

اس طریقہ سے معلم طلبہ کی تمام تر توجہ اور دلچسپی اپنی طرف مبذول کرسکتا ہے۔ حضور صحابہ کو متوجہ کے لئے اپنی بات سے پہلے اکثر ایسے الفاظ فرماتے ہیں مثلاً ذلیل ہوا وہ۔ ذلیل ہوا اور؟ صحابہؓ نے پوچھا، کون یا رسول اللہ ﷺ؟

آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''وہ شخص جس کے والدین زندہ ہوں اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے سوالیہ انداز میں فرمایا کہ ''کیا میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں، جو نماز، روزے سے بھی افضل ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا ہاں، تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ:

''دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا، نماز، روزے سے بھی افضل کام ہے۔''

اکثر احادیث کے آغاز میں ہلاک ہوا۔ ہلاک ہوا۔ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

مسلمان استاد پر لازم ہے کہ لیکچر کے دوران طلبہ کو متوجہ کرنے کے لئے چند دلچسپ اور پرتجسس جملے ادا کرے۔ مثلاً وہ کہہ سکتا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے امتحانات میں صرف ۶۵ دن باقی ہیں۔

نصابی کتب پڑھانے کے ساتھ ساتھ نصاب ہی میں سے کوئیز یعنی ''سوالنامہ'' ترتیب دیجیے اور اول دوم سوم آنے والے طلبہ کو کتاب، قلم وغیرہ انعام میں دیں۔ یہ تیاری کروانے کا دلچسپ انداز ہے، اس طرح کلاس میں ایک مقابلے کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ اور طلبہ بالواسطہ طور پر امتحان کی تیاری کر سکیں گے۔

لیکچر کے اختتام پر ایک مرتبہ لیکچر کو مختصراً دہرا لیں اور آخر میں طلبہ کو سوالات کا موقع دیں، تا کہ اگر ان کے ذہن میں کوئی الجھن ہے تو وہ اسے دور کر سکیں۔ طلبہ کے سوال کرنے پر انہیں تفصیل سے جواب دیں تا کہ وہ بالکل مطمئن ہو جائیں۔ لیکچر کو ہر پہلو سے سمجھا دینے اور مثالوں سے مطمئن کر دینے پر ہی اکتفا نہ کیجیے بلکہ کچھ سوالات دے کر طلبہ کو اپنے طور پر غور و فکر کی دعوت بھی دیں۔

پروفیسر عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں کہ استاد: جب کلاس میں داخل ہو تو کوئی طالب علم پکارتا ہے، کلاس سٹینڈ، اور سارے طالب علم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات اگر کوئی طالب علم کھڑا نہ ہو تو استاد

اس کی پٹائی بھی کر دیتا ہے‘ کیوں؟ یہ رسم ہم نے کہاں سے لی ہے؟ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے پر تمام صحابہ کرامؓ کھڑے ہو گئے اس پر آپ ان سے ناراض ہوئے‘ صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں آپ ﷺ کی حیثیت استاد کی تھی۔ ایسے استاد کی جس کی سیرت و کردار کو خود اللہ تعالیٰ نے بہترین قرار دیا ہے۔ اگر آپ ﷺ کے آنے پر صحابہ کرامؓ کا کھڑا ہونا آپ ﷺ کی ناراضگی کا موجب ہے تو اور کون ہو سکتا ہے جس کی آمد پر ایک گروہ کا کھڑا ہونا پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ یہ ناپسندیدہ رسم مسلمان نے باہر سے لی ہے۔ اس لیے اسے نکال باہر کرنا ہی پسندیدہ ہے۔ اس کے برعکس جو اچھا طریق نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ بڑا چھوٹے کو‘ سوار پیدل کو کھڑا بیٹھے کو اور آنے والا موجود کو سلام کرے۔ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر نہیں کیونکہ یہ رسم بھی باہر سے آئی ہے بلکہ کمرہ جماعت میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (سلام کو عام کرو) اس سے محبت بڑھتی ہے۔

متعلقہ مضمون پر عبور

متعلقہ مضمون پر عبور .

پروفیسر سید ابو بکر غزنویؒ فرماتے ہیں کہ ”جب استاد محض کسب معاشی کے لئے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی اور جب مضمون پر دسترس نہ ہو تو وہ مجبور ہوتا کہ لبادے اوڑھے علم وفضیلت کے تا کہ اس کے علمی بدن کے برص کے داغوں پر کہیں شاگردوں کی نظر نہ پڑے۔ وہ انہیں فاصلے پر رکھتا ہے۔ طالب علم سوال پوچھتے ہیں استاد انہیں دباتا ہے SNUB کرتا ہے اور رعب جماتا ہے۔ جب استاد شاگرد کو دباتا ہے تو گو ان کی زبانیں چپ ہو جاتی ہیں مگر ان کے چہرے صاف بول رہے ہوتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے زیب نہ تھا۔ اور ان کے جی میں استاد کے لیے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی۔“

مسلمان استاد اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اسے اپنے مضمون پر مکمل عبور حاصل نہ ہو۔ وہ طلبہ کے سوالات کے تسلی بخش جواب نہ دے دے اسے اپنے خصوصی مضمون میں کامل عبور اسی وقت حاصل ہو گا جب وہ اپنے مضمون کی تاریخ فلسفے افادیت ضرورت واہمیت اور متعلقہ مضمون میں ہونے والے نت نئی Developments کے بارے میں پوری طرح آگاہ ہو جائے۔ مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے متعلقہ مضمون کو دلچسپ اور مؤثر بنانے کے لیے نئی مثالوں اور شواہد کی تلاش

جاری رکھے۔ اور اپنے طلبہ کو UP TO DATE معلومات پہنچانے کا ذریعہ بنا رہے۔ پروفیسر عظمت اللہ خان ''عمرانی علوم کی تدریس کا صحیح طریق کار'' کے تحت لکھتے ہیں۔

''واقفیت کا رویہ صرف یہی نہیں ہے کہ استاد بس یہ جانتا ہے کہ جس علم کی وہ تدریس کا کام جانتا ہے اور انجام دے رہا ہے' اس کی ساخت کیا ہے' وہ کن اجزاء پر مشتمل ہے' وہ انسانی زندگی کے کس پہلو سے بحث کرتا ہے۔ اس کے دائرہ مطالعہ SCOPE میں کتنی وسعت پائی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس میں یہ امر بھی شامل ہے کہ استاد اس سے بھی پوری واقفیت رکھتا ہے کہ اس علم کا آغاز کس طرح ہوا۔ اس کے ارتقاء میں کن عوامل کا ہاتھ رہا ہے۔ یعنی وہ اس کی فکری تاریخ کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ اس علم پر اثر انداز ہونے والے افکار نظریات ہی نہیں' تاریخی عوامل سے بھی آگاہی رکھتا ہے۔ غرض کسی علم کی تفصیلات سے واقفیت کا مطلب یہ ہے کہ استاد اس علم کے ہر جز' ہر حصے اور ہر پہلو کی پوری پوری آگاہی رکھتا ہے اور وہ اس کی ہیئت ترکیبی کو بھی خوب سمجھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس علم کی ترقی و ترویج انسانی معاشرے کے کن تغیرات سے وابستہ ہے۔

مثال کے طور پر کسی استاد کے علم معاشیات سے واقفیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس علم کے موجودہ ڈھانچے کا پورا پورا شعور رکھتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اس علم کا دائرہ مطالعہ' زندگی کے کن کن پہلوؤں پر محیط ہے۔ وہ ان مختلف شعبوں سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے جس میں یہ علم اس وقت منقسم ہے۔ اسے اس بات کا علم ہے کہ اس کی فکری تاریخ کن کن مراحل سے گزر کر موجودہ دور تک پہنچی ہے۔ اس کے افکار و نظریات پر کن فلسفیانہ تصورات اور تاریخی عوامل کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ وہ اس امر پر بھی پوری نظر رکھتا ہے کہ ہمارے موجودہ انسانی معاشرے کی کون سی تبدیلیاں ہیں جو علم معاشیات میں نئے افکار بلکہ مکاتب فکر کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہ بات بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے کہ پچھلے ادوار کے کن کن تصورات کو نئے قالب میں پیش کیا جا رہا ہے اور دور جدید کے کن معاشی افکار کو اس علم میں آئندہ جگہ پانے والے اصولوں کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔ گویا علم معاشیات سے واقفیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک استاد اس کے حدود دوار بعہ کا پورا پورا شعور رکھتا ہے۔ اس کے مرکزی فلسفے کو خوب سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اندر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ اس علم کے مرکزی فلسفے کی روشنی میں اپنے اردگرد کے حالات کی تعبیر و تشریح کر سکتا ہے۔

باب نمبر:۱۱

مسلمان استاد کی ذمہ داریاں

باب نمبر:۱۱

مسلمان استاد کی ذمہ داریاں

ایک چینی کہاوت ہے کہ "اگر تمہارا منصوبہ سال بھر کے لئے ہے تو فصل کاشت کرو اگر دس سال کے لیے ہے تو درخت اگاؤ اور اگر دائمی ہے تو افراد تیار کرو۔

تعلیمی ادارے ملک وقوم کے لیے تازہ خون کی نالیاں ہیں جن کے ذریعے بہ حیثیت مجموعی جسد قوم، قوت وتوانائی حاصل کرتا رہتا ہے۔ مسلمان استاد کا اصل کام ان تعلیمی اداروں سے معاشرے کے لئے صالح اور دیانتدار افراد فراہم کرنا ہے۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اسلامی اوصاف اور اسلامی ذہنیت رکھنے والے سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر، وکیل اور معیشت دان پیدا کرے۔ اسلام کی تہذیب وتمدن، ثقافت، اسلام کے سیاسی اصول، اسلام کے معاشی ضابطے، مسلم مفکرین اور دانشوروں کے تاریخی کارنامے نئی نسل تک منتقل کرنا ہر مسلمان استاد کی ذمہ داری ہے، تاکہ آنے والی نسلیں اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں۔

اسلامی تعلیمات کا مقصد طلبہ میں اعلیٰ اخلاق، اجتماعی آداب اور ان کی سیرت وکردار کی تعمیر کرنا ہے۔ ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ معلم ان ذمہ داریوں کو سمجھے جو بہ حیثیت مسلمان استاد اس پر عائد ہوتی ہیں۔

مقصد زندگی سے آگاہی

اپنے طلبہ کو خدمت والدین، بڑوں کے احترام، رشتہ داروں کے حقوق اور مقصد زندگی سے آگاہ کیجیے کہ انسان اس کائنات میں کیوں آیا ہے اور وہ کون کون سے فرائض ہیں جو اسے سرانجام دینے ہیں اور خصوصاً ایک مسلمان کی زندگی کا نصب العین کیا ہونا چاہیے، راک فیلر کا کہنا ہے کہ:

طلبہ اپنی زندگی کا کوئی مقصد ومفہوم چاہتے ہیں۔ اگر ان کا زمانہ، ان کی ثقافت اور ان کے رہنما انہیں کوئی وسیع مفہوم، مقاصد اور تصورات وغیرہ دیں تو پھر وہ اپنے لئے حقیر اور گھٹیا مقاصد متعین کر لیتے

ہیں۔

"سید ابوالاعلیٰ مودودی" فرماتے ہیں کہ:

"بے مقصد زندگی بسر کرنا تو حیوانات کا کام ہے۔ اگر آدمی بھی صرف اس لئے سوچ کہ جینا ہے اور اپنی قوتوں کا مصرف بقائے نفس اور تناسل کے سوا کچھ نہ سمجھے تو آخر اس میں اور دوسرے حیوانات میں کیا فرق رہا۔"

اچھی تعلیم کا مقصد ہی انسان کو مقصدیت کے زیور سے آراستہ کرنا ہے۔ اپنے طلبہ کو یہ بات ذہن نشین کرایئے کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ رب العالمین کی عبادت اور مخلوق خدا کی خدمت کرنا ہے، گویا رسمی عبادات کے ساتھ ساتھ والدین، اولاد، رشتہ دار اور پڑوسی کے حقوق کا خیال رکھنا، مظلوموں کی حمایت، تنگدستوں کی خبر گیری، غریبوں کی اعانت محتاجوں کی حاجت روائی اور مشکل اوقات میں دوسروں کے کام آنا ہی افضل عبادت ہے۔ یعنی مخلوق کی خدمت میں اللہ کی رضا پوشیدہ ہے اور اللہ رب العالمین کی رضا کا حصول ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے۔

معلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کو بے مقصدیت سے نفرت دلائے تا کہ وہ معاشرے کے ذمہ دار اور مخلص شہری بن سکیں، جو ملک و قوم پر مشکل وقت آنے پر سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔

فہم قرآن مجید

اپنے طلبہ کو فہم قرآن کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلائیں کہ اس کے بغیر وہ باعمل مسلمان نہیں بن سکتے۔ فہم قرآن کے بغیر مسلمان نسل کی اخلاقی تربیت بے سود ہو گی کیونکہ قرآن ہدایت کی روشنی کا سرچشمہ ہے اور اس کا مقصد ہی انسانوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ آپ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت طلبہ کو قرآن کی افادیت باور کرا سکتے ہیں:

۱۔ قرآن کا تاریخی حیثیت سے ایک مستند اور مقدس ترین کتاب ہونا

۲۔ اس کا کلام الٰہی ہونا

۳۔ فلسفۂ قرآن اور قرآن کی انقلابی دعوت کا اثر

۴۔ قرآن کا طرز بیان اور جامعیت

۵ قرآنی واقعات، تمثیلات اور احکامات وغیرہ

نظم ونسق پیدا کرنا بہت بڑا مسئلہ ہوگا۔ اس لیے معلم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ طلبہ کو انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر نظم وضبط کا پابند کرے تا کہ مدرسہ میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ موثر انداز میں جاری رہے۔

غیر اسلامی نظریات کی تطہیر

مسلمان استاد کا فرض ہے کہ اپنے طلبہ کے ایمان واعتقاد کو مضبوط کرے۔ ان کے ذہنوں میں پاکیزہ اور اسلامی خیالات وجذبات پیدا کرے۔ مختلف ذرائع سے پھیلائے جانے والے ذہنی اور فکری شکوک وشبہات کو رفع کرے۔ اپنے طلبہ کو لسانی اختلافات، قومیتوں کے تعصبات، فحش اور نام نہاد ترقی پسند لٹریچر کی بھرمار، کمیونزم، سوشلزم اور لادینیت کی یلغار سے بچائے اور ان تعصبات کو ختم کرے جو قومیت پرستی، علاقائیت، صوبائیت اور فرقہ واریت کی بنیادوں پر قوم وملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا موجب ہیں۔ پاکستان کا قیام اور اس کا وجود نہ صرف برصغیر بلکہ پورے جنوبی ایشیا اور پھر عالم اسلام کے لئے اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ مستقبل کے معماروں یعنی اساتذہ کا فرض اولین ہے کہ وہ نعمت عظمیٰ کے تحفظ کا احساس نوجوان نسل کے اذہان میں پیدا کریں۔ علاوہ ازیں مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو فیشن زدگی، منشیات، بے مقصدیت اور دیگر بری عادات وخصائل سے بچائے طلبہ کو فکر کی دعوت دے اور جدید مسائل کا اسلامی حل تجویز کرے۔

اپنے طلبہ کے سامنے زبانی اور عملی طور پر اسلام کا نمونہ پیش کریں۔ کیونکہ موجود دور میں مولوی، صوفی اور پیر وغیرہ اسلام کی عجیب وغریب شکل پیش کرتے ہیں اور عام آدمی اس شکل کو اصل مذہب اسلام سمجھ بیٹھتا ہے، بدقسمتی سے مولوی حضرات نکاح پڑھنے، امامت کرنے، مردہ نہلوانے اور قرآن کی تلاوت کرنے پر بھاری اجرت وصول کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف تصوف کی آڑ میں رقص وموسیقی، قوالی، وجد، عرسوں کے مواقع پر دھمال ڈالنے کا نام مذہب اسلام رکھ دیا ہے۔ علاوہ ازیں معاشرے میں پھیلے ہوئے فروعی اختلافات فرقہ ورانہ تعصبات، بحث مباحثے، تقاریر اور مناظروں کی وجہ سے نوجوان نسل اسلام کے بارے میں بہت سی الجھنوں میں گرفتار ہے۔ مسلمان استاد کا فرض ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں دین اسلام کی وضاحت کرے تا کہ نوجوان نسل اسلامی تہذیب وتمدن، اسلام کے سیاسی اور معاشی اصولوں، تاریخی ورثے اور دین کے بنیادی تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

اسلامی اصطلاحات

مسلمان استاد کا کام طلبہ کی سیرتوں اور عادات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہے۔ اس اہم کام کے لئے ضروری ہے کہ استاد نہ صرف نصاب کو اسلامی طرز پر پڑھائے بلکہ درسگاہ کی ہر چیز کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ ہر معلم کو کلاس کے شروع یا آخر میں رجسٹر پر حاضری لینی ہوتی ہے۔ عام طور پر طلبہ (Presentsir) یا (Yes Sir) کی صورت میں جواب دیتے ہیں' مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو حاضر جناب یا لبیک کہنے کی ترغیب دے۔ علاوہ ازیں طلبہ کی کاپیاں چیک کرتے وقت "GOOD" "VERY GOOD" اور "Excellent" کی بجائے 'سبحان اللہ' ماشاء اللہ اور اللہ اکبر کی اصلاحی اصطلاحات استعمال کرے۔

اجتماعات کا انعقاد

قوموں کی فکری طاقت کے سرچشمے ان کی درسگاہیں ہوتی ہیں۔ ان درسگاہوں میں زندہ اسلامی ماحول پیدا کرنا مسلمان اساتذہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ایک ہی انداز سے روزانہ درس وتدریس سرانجام دینے سے طلبہ بور ہونے لگتے ہیں۔ کھیل کود اور دیگر غیر نصابی سرگرمیاں ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہیں۔ وہ ایک نئی امنگ اور جذبے کے ساتھ تحصیل علم کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آپ طلبہ کو یکسانیت اور اکتاہٹ سے بچانے کے لئے اپنے سکول یا کالج میں مختلف تقریبات اور اجتماعات کا اہتمام کریں مثلاً تقریری مقابلہ' کوئیز' شو کسی اختلافی مسئلے پر بحث ومباحثہ وغیرہ

تعلیمی اداروں میں معاشرتی' علمی ادبی اور تعلیمی امور کے متعلق کانفرنسوں کے انعقاد سے بھی طلبہ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں سیرت کانفرنس' جہاد کانفرنس' قرآن کانفرنس وغیرہ پر بھی تقریبات منعقد کی جاسکتی ہیں۔

دلچسپ عنوانات کے تحت مباحثہ بھی کروا دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اسکول/ کالج کی ترقی کیسے؟

۲۔ طلبہ کی بے راہ روی کی وجوہات؟

۳۔ امتحانات میں نقل کا انسداد کیسے؟

۴۔ جدید دور کے مسائل اور ان کا اسلامی حل

ان اجتماعات میں شہر کے معززین اور ماہرین تعلیم کو بھی دعوت دی جائے۔

قومی رہنماؤں کا تذکرہ

قوموں کے عروج و زوال میں نوجوان نسل اور خصوصاً طلبہ کا بڑا اہم کردار رہا ہے اس لئے ضروری ہے طلبہ کو حضور ﷺ' انبیائے کرام ؑ اور صحابہ کرام ؓ کی سیرتوں' اخلاق و کردار' جرات و بیباکی' صداقت' حکمت' عبادت الٰہی' جذبہ جہاد اور احساس ذمہ داری سے واقف کرایا جائے۔ اپنے طلبہ کو بھیڑ بکریوں سے اتفاق کا درس نہ دیں۔ خرگوش اور کچھوؤں سے غرور کا انجام نہ سمجھایئے۔ کوؤں کی ذہانت کا تذکرہ نہ کیجیے۔ مسلمان طلبہ کو مسلمان مفکرین اور دانشوروں کے سچے واقعات سنایئے۔ کیا اتفاق و اتحاد کے لئے کسی نبی' صحابی یا بزرگ کا واقعہ نہیں سنایا جاسکتا؟ انسانوں کو جانوروں کے نہیں انسانوں کے سچے اور کھرے واقعات سنایئے۔ تاکہ وہ کچھ نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ آپ اپنے طلبہ کو قائد اعظمؒ کی اصولی پسندی' علامہ اقبالؒ کا عشق رسول ﷺ' محمد علی جوہرؒ کی صداقت' ظفر علی خانؒ کی بیباکی و جرات اور دیگر مذہبی رہنماؤں کے غیر متزلزل ایمان کے بارے میں بتایئے تاکہ وہ ان عظیم رہنماؤں کے حالات و واقعات سے آگاہ ہوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

کتب بینی کی عادت

مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے طلبہ میں اچھی اچھی ادبی' نفسیاتی' تاریخی اور اسلامی کتب کے مطالعہ کا ذوق پیدا کرے' تاکہ طلبہ میں وسعت معلومات اور وسعت نظر پیدا ہو۔ جناب افضل حسین اپنی کتاب ''فن تعلیم و تربیت'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''بچوں میں کتب بینی کا ذوق پیدا کرنا کلاس ٹیچر کی ذمہ داری ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہر درجے کے معیار کی کچھ کتابیں منتخب کر کے درجوں میں بھی رکھوائی جائیں ان کی مدد سے کلاس ٹیچر حضرات طلبہ میں خارجی مطالعہ کا ذوق پیدا کر سکیں اور حسب ضرورت و خواہش طلبہ کو ہر وقت کتابیں بھی مل سکیں۔ کلاس ٹیچر حضرات کو چاہیے کہ وہ درجے میں کبھی کبھی اچھی کتب کا تذکرہ کیا کریں۔ ان کے اقتباسات پڑھ کر سنائیں' ان کے مطالعے کی ضرورت و اہمیت واضح کریں اور طلبہ کو اپنے ساتھ لائبریری

لے جا کر کتابیں دیکھنے اور پسندیدہ کتابیں حاصل کرنے میں مدد اور رہنمائی کریں اور جو کتابیں طلبہ کو زیادہ پسند ہوں ان کے کئی نسخے ہونے چاہئیں۔

اچھی اچھی معلوماتی کتب کے مطالعے سے نہ صرف طلبہ میں فکری سلجھاؤ طبیعت میں سادگی' مزاج میں سنجیدگی' برتاؤ میں خلوص اور سیرت و کردار میں مضبوطی پیدا ہوگی بلکہ طلبہ میں مشاہدہ کی عادت' مدلل گفتگو اور فکر و تحقیق کی صلاحیتیں بھی پروان چڑھیں گی۔ کوشش کریں کہ آپ کے ہر طالب علم کی چھوٹی سی ذاتی لائبریری ہو جس میں وہ اپنے جیب خرچ سے کتب خرید کر اضافہ کرتے رہیں۔

یادگار ایام

یاد رکھیے مسلمان استاد کا کام صرف کورس کی کتابیں پڑھا دینے سے ختم نہیں ہو جاتا اس کے کندھوں پر نئی نسل کی تربیت اور اخلاق و کردار کی تشکیل کی ذمہ داری بھی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان استاد نصابی کتب کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی معلومات بھی طلبہ کے گوش گزار کرے' جو انہیں سچا پاکستانی اور پکا مسلمان بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے لیکچر کا کچھ حصہ مختص کرے اور سال کے دوران آنے والے اہم دنوں مثلاً ۲۳/ مارچ' ۱۴/ اگست' ۶ ستمبر وغیرہ کے بارے میں طلبہ کو بتائے۔ علاوہ ازیں عیدالفطر' عیدالاضحیٰ' محرم الحرام اور رمضان المبارک سے قبل ہی ان کی اہمیت و فضیلت اگر طلبہ کو سمجھا دی جائے تو انہیں بہت فائدہ ہو۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ یومِ بدر' جنگِ خندق' فتح مکہ اور یومِ باب الاسلام کے متعلق معلومات فراہم کرے' اسی طرح اگر زکوٰۃ' حج اور جہاد کی اہمیت بھی اجاگر کر دی جائے تو طلبہ کی سیرت اور عادات پر بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔

کمزور طلبہ پر زیادہ توجہ

اکثر مدرسوں میں ایسے طلبہ بھی ہوتے ہیں جو تنہائی پسند ہوتے ہیں' ان کا کوئی ساتھی اور دوست نہیں ہوتا۔ وہ تنہا رہنا پسند کرتے ہیں' ایسے طلبہ مدرس کی خاص توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ ایسے طلبہ کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت کا سلوک کرے۔ کچھ طالب علم بھی ایسے ہوتے ہیں جو پڑھائی سے لاپرواہ ہوتے ہیں۔ وہ اکثر چھٹیوں کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔ انہیں خیالی پلاؤ پکانے میں اور خیال ہی خیال میں بڑے بڑے منصوبے بنانے میں مزہ آتا ہے۔ وہ خوابوں کی دنیا میں رہنا پسند

کرتے ہیں۔ ایسے طلبہ میں حقیقت پسندی پیدا کرنا مسلمان استاد کا اہم فریضہ ہے۔ تاکہ وہ معاشرے کی تلخ حقیقتوں سے آنکھیں ملا سکیں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ ایسے طلبہ پر خصوصی توجہ دے' اور ان کے لئے اچھی اچھی کتب تجویز کرے' تاکہ ان میں وسعت نظر پیدا ہو اور وہ مظاہر فطرت پر غور و فکر کے ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی پر بھرپور توجہ دیں اور وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو کر اپنے والدین کا سہارا بنیں۔

طلباء میں موسیقی کا رجحان

بدقسمتی سے ہماری نوجوان نسل موسیقی یعنی گانے بجانے کی طرف راغب ہے۔ اب تو مغربی موسیقی کی لت بھی پڑتی جا رہی ہے۔ جدت پسندوں نے مشرقی موسیقی میں مغربی دھنوں کی رنگ آمیزی کر کے اسے اور بھی ہنگامہ خیز بنا دیا ہے۔ اسی پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ ڈسکو' پوپ' سنگنگ اور بریک ڈانس بھی موسیقی کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔ موسیقی کو ایک کیف اور سرور کا نام دیا جاتا ہے بلکہ روح کی غذا تک کہا جاتا ہے' قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اللہ کا ذکر ہی وہ شے ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ گویا روح کی غذا اور دلوں کا اطمینان ذکر الٰہی ہے' نا کہ بے ہنگم موسیقی۔ درحقیقت موسیقی روح کی غذا نہیں دماغ کا خلل ہے۔ شرم و حیا کی قاتل ہے۔ یہ انسانی جذبات و خیالات میں طوفان اور ہنگامہ پیدا کرتی ہے۔ موسیقی کے بڑھتے ہوئے شوق نے نہ صرف نوجوانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کیا ہے بلکہ ان کے لباس اور انداز گفتگو میں بھی عریانی اور فحاشی لائی ہے۔ موسیقی مسحور کن چیز نہیں بلکہ انسانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا میں آلات موسیقی توڑنے کے لئے آیا ہوں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ طلبہ کو موسیقی کے آسیب سے بچائے اور ان کی توجہ نصابی کتب کی طرف مبذول کرے۔

طلباء میں فحش شاعری کی وبا

طالب علمی کے دور میں محبت کے لطیف جذبات کا پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ ان جذبات و احساسات کو خدمت والدین' خدمت خلق اور حق و انصاف سے محبت وغیرہ کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وہ عمر ہے' جس میں شاعری کا دورہ پڑتا ہے' طالب علموں کی کاپیوں پر لکھے ہوئے فحش اشعار ان کی ذہنیت کے عکاس ہوتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ شاعری

انسانی جذبات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن اس کی آڑ میں عشق بازی، شراب نوشی، فحش گوئی اور دوسروں کی بہو بیٹیوں کی آنکھیں ہونٹوں اور زلفوں کی تعریف کرنا سراسر بے حیائی ہے۔ اسلام ایسی شاعری کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دور جدید کے فحش گو شاعروں کے بارے میں قرآن کا واضح ارشاد ہے کہ ”رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔“ (سورۃ الشعراء) مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے طالب علموں کے بے مقصد اور فحش شاعری سے نفرت دلائے اور ماہر القادری“ علامہ اقبال” کی با مقصد شاعری پڑھنے کی تلقین کرے، تاکہ طلبہ میں علم کی جستجو پیدا ہو، شوق خدمت اور جذبۂ جہاد بیدار ہو۔

مال حرام سے نفرت و بیزاری

اپنے طلبہ کو مال حرام، رشوت، سود، ملاوٹ، بلیک مارکیٹنگ اور ذخیرہ اندوزی سے نفرت دلائیے۔ وہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے والے نہیں بلکہ خوشی خوشی ادا کرنے والے بنیں تاکہ وہ مستقبل میں جس پیشے سے بھی وابستہ ہوں، اس میں جائز اور حلال ذرائع سے رزق کی تلاش کریں، ان کے دل میں جھوٹ، بدعہدی، خیانت اور چوری کے بارے میں شدید نفرت اور نیکی، ایثار، دیانت داری اور اخلاق و مروت سے محبت پائی جائے۔ آپ کے طلبہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاص، دیانت داری، رب کائنات کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ کام کریں۔ حرام مال اور ناجائز وسائل کے کتنے ہی سنہری مواقع ان کے سامنے آئیں مگر وہ آخرت کے خوف سے ہر اس کام سے رک جائیں جو ضمیر کی علامت کا باعث ہو۔ معاشرے کے لئے ایسے دیانتدار افراد تیار کرنا معلم کی اولین ذمہ داری ہے۔

دین و دنیا کی تفریق کا خاتمہ

دین و دنیا کی تفریق کا باطل نظریہ مسلمانوں کے اندر انگریزوں کا پیدا کردہ ہے۔ یہ ایک غیر اسلامی نظریہ ہے جو ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے اندر پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ نہ پورے مسلمان رہیں نہ پورے غیر مسلم۔ دین اسلام دینی اور دنیاوی تعلیم کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ دنیاوی تعلیم کو اسلامی احکامات کی روشنی میں حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یعنی اسلام کے نزدیک دینی اور دنیاوی علوم علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ یکجا ہیں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ دین و دنیا کی تفریق کے باطل

نظریئے کو ختم کرے اور تمام مضامین دینی نقطۂ نظر سے پڑھائے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے دنیا آخرت کی کھیتی ہے' یعنی دنیا کی زندگی کے تمام معاملات میں ہدایت اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس لئے مسلمان استاد کا فرض ہے کہ تعلیم و تدریس کا فریضہ بھی اسلام کی ہدایت کے مطابق ادا کرے' تاکہ ایسے باکردار افراد تیار ہوں جو دنیا کی زندگی میں نیک اعمال کر کے آخرت میں سرخروئی حاصل کریں۔

باب نمبر: ۱۲

اسلام اور سائنس

باب نمبر: ۱۲

اسلام اور سائنس

سائنس زندگی کی حقیقتوں کی تلاش و جستجو کا نام ہے۔ جوں جوں نئی دریافتیں اور ایجادات ہو رہی ہیں توں توں علم و حکمت کے نئے پہلو سامنے آ رہے ہیں اور انسانی ذہن اللہ تعالیٰ کی حقانیت کو تسلیم کر رہا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ سائنس، اسلام ہی کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر مظاہر فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے اور کائنات کے اسرار و رموز پر فکر و تحقیق کرنے کی تلقین کی ہے۔ لیکن ایک مسلم اور غیر مسلم کے مطالعۂ سائنس میں بنیادی فرق ہے۔ مولانا وحید الدین فرماتے ہیں کہ:

''سائنس سادہ طور پر عالم حقائق کے مطالعہ کا نام ہے۔ قرآن میں یہی صفات اہل ایمان کی بتائی گئی ہے کہ وہ زمین و آسمان کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں۔ (**یتفکرون فی خلق السموات والارض**: آل عمران) اس اعتبار سے ایک سائنس دان وہی کام کرتا ہے جو ایک مومن کرتا ہے تاہم دونوں میں فرق ہے۔ سائنس دان کا عمل صرف تحقیق کے لیے ہوتا ہے اور وہ مومن کا عمل عبرت کے لئے۔ سائنس دان کے پیش نظر علم برائے علم ہوتا ہے اور مومن کے پیش نظر علم برائے مقصد۔ سائنسدان اضافہ علم پر مطمئن ہوتا ہے اور مومن اضافہ ایمان پر۔'' (''اسلام پندرھویں صدی میں'' صفحہ نمبر ۱۴، ۱۱۳ از: مولانا وحید الدین خان)

اس ترقی یافتہ دور میں کچھ ایسے بھی ناسمجھ موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ اسلام سائنسی دریافتوں اور تحقیقات کا مخالف ہے۔ یہ درحقیقت یہ خیال قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت کی عکاسی کرتا ہے۔ قرآن کریم نے بار بار کائنات میں غور و فکر، تحریک و جستجو اور انفس و آفاق میں تدبر کی دعوت دی ہے اور ایک سلیم الفطرت شخص کائنات کی ترتیب ہم آہنگی توازن و اعتدال اور نظم و ضبط کو دیکھ کر خالق کائنات کی عظمت کی گواہی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سچے مسلمان کے لئے سائنسی تعلیمات اور تحقیقات اضافہ ایمان کا

سبب بنتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی سائنسی علم فی نفسہٖ اچھا یا برا نہیں ہوتا بلکہ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ دور جدید کے سائنس دانوں نے اس علم کو انسانیت کی تباہی و بربادی کے لئے استعمال کیا ہے اور ایسی ایسی ایجادات کی ہیں جو انسان کے لئے انتہائی مہلک ہیں۔ میزائل، راکٹ، کیمیائی گیسیں اور ایسے بم ایجاد کر دیے گئے ہیں جو جہاں گرتے ہیں وہاں زندگی کا نام کوئی نہیں لیتا۔ زمین صدیوں تک استعمال کے قابل نہیں رہتی لیکن اس سب کچھ میں علم سائنس کا کچھ قصور نہیں۔

بہ حیثیت مسلمان ایک سائنسدان کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کی ترقی وفلاح کے لیے کام کرے۔ اس کی تحقیقات وایجادات کا بنیادی مقصد بنی نوع انسانی کی خوشحالی وسہولت میں اضافہ کرنا ہو۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ نمبر ۲ میں تعلیم کے بارے میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ جو مولانا تقی عثمانی کی مرتب کردہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''سائنس اللہ تک پہنچنے' اس کی قدرت کاملہ پر غور وفکر کرنے' اور انسان میں اللہ کے آگے عجز کا احساس پیدا کرنے اور اس کے حضور سجدہ ریز ہونے کا اور اس کی عبادت ومعرفت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں سائنس کا طالب علم سائنسی اور دینی حقائق کو متضاد سمجھتا ہے اور بسا اوقات سائنس پڑھ لینے کے بعد وہ رسول ﷺ۔ وحی اور آخرت کا یا منکر ہو بیٹھتا ہے یا کم ازکم سائنس کی گفتگو کے دوران ان عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں سائنس کی تعلیم اس ذہنیت کے ساتھ دی جائے۔ مثال کے طور پر بات کہنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آگ میں جلانے کی خاصیت پائی جاتی ہے اور انسان کا دماغ سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اگر اس بات کو اس طرح کہا جائے کہ اللہ نے آگ میں جلانے کی صلاحیت رکھ دی ہے اور اللہ نے انسان کو سوچنے کے لئے دماغ دیا ہے تو یہی جملے بار بار سامنے آ کر اسلامی ذہنیت کی تعمیر کریں گے۔

اگر ہم مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کا بغور معائنہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں کی تنزلی کی بہت سی وجوہات میں سے ایک سائنسی تحقیقات سے گریز بھی ہے۔ اب یہ ذمہ داری مسلمان اساتذہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ طلبہ کو سائنس وتحقیق کی طرف راغب کریں۔

عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ بے شک فنون لطیفہ میں تو مسلمانوں نے ترقی کی لیکن

سائنس خالصتاً مغرب کا میدان ہے۔ اپنے طلبہ کو مسلمانوں کی سائنسی خدمات کے بارے بھی بتایئے۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن مجید نے غور وفکر اور تدبر پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف زراعت' نباتات' کاغذ سازی' شیشہ سازی' چرم سازی' گھڑی سازی اور اسلحہ وبارود بنانے میں نمایاں کام کیا ہے بلکہ الجبرا' ریاضی' طبیعیات' کیمیا' فلکیات اور فن تعمیرات میں خدمات سرانجام دی ہیں۔ آج امریکہ اور یورپی ممالک نے جن علوم وفنون میں مزید تحقیق کر کے کمال حاصل کیا ہے ان کی ابتدا صدیوں پہلے مسلمانوں نے کی تھی۔ غور وفکر اور علم وتحقیق ہمیشہ سے مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں بڑے بڑے فلسفی' محدث' فقیہہ' طبیب' مورخین' سیاستدان اور سائنس دان پیدا ہوئے۔

سائنسی مضامین اور مسلمان استاد

ممکن ہے کوئی سائنس کا معلم یہ کتاب پڑھتے وقت یہ سوچے کہ یہ کتاب تو آرٹس کے استاد کے لئے لکھی گئی ہے' کیونکہ سائنس اور مذہب دو الگ الگ شعبے ہیں۔ اس لئے میرے لیے یہ کتاب پڑھنا بے سود ہوگا۔ بدقسمتی سے ہمارے بہت سے سائنس کے معلمین اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ مذہب کا دائرہ مسجدوں تک محدود ہے' تعلیمی اداروں' کلاس روموں' نصاب تعلیم اور سائنس کی تجربہ گاہوں میں مذہب کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔ درحقیقت یہ خیال اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اسلام نہ صرف سائنسی علوم کی تحصیل کی ترغیب دیتا ہے بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ فکر وتحقیق کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے' تاکہ اسلامی ذہن رکھنے والے سائنس دان اور ماہرین علوم پیدا ہوں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مذہب میں سائنس کی اہمیت کے متعلق اپنی کتاب 'تعلیمات' میں رقمطراز ہیں کہ:

"یہ کہنا کہ سائنس تو ایک عالمگیر چیز ہے' اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں فی الواقع بڑی نافہمی کی بات ہے' سائنس میں ایک چیز تو ہے وہ حقائق (Facts) اور قوانین فطرت (Natural Laws) جو تجربے اور مشاہدے سے انسان کے علم میں آتے ہیں' یہ بلاشبہ عالمگیر ہیں۔ دوسری چیز ہے وہ ذہن جو ان حقائق اور معلومات کو مرتب کر کے ان پر نظریات قائم کرتا ہے اور وہ زبان جس میں وہ ان کو بیان کرتا ہے۔ یہ چیز عالمگیر نہیں ہے بلکہ اس میں ہر تہذیب کے پیروؤں کا اسلوب الگ الگ ہے اور فطرتا الگ ہونا چاہیے۔ ہم اسی دوسری چیز کو بدلنا چاہتے ہیں۔ نہ کہ پہلی چیز کو۔ مثال کے طور پر دیکھیے یہ ایک

سائنٹیفک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام دوسری چیزیں تو سرد ہو کر سکڑتی ہیں مگر ان کے برعکس پانی جب سرد ہوتے ہوتے جمنے کے قریب پہنچتا ہے تو پھیل جاتا ہے اور برف بن کر ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے برف سطح آب پر تیرنے لگتی ہے۔ یہ ایک امر واقعہ (Fact) ہے۔ اب ایک شخص اس چیز کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ پانی کی یہ خاصیت ہے اور واقعتہً ایسا ہوا کرتا ہے۔ دوسرا شخص اسی واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اللہ نے اپنی حکمت و ربوبیت سے پانی میں یہ خصوصیت اس لیے رکھی ہے کہ دریاؤں اور تالابوں اور سمندروں میں جان دار مخلوق باقی رہ سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پانی جم جم کر نیچے بیٹھتا چلا جاتا' یہاں تک پورے پورے سمندر اور تالاب اور دریا برف بن جاتے اور کوئی جاندار مخلوق ان میں زندہ نہ رہتی۔ دیکھیے ایک ہی امر واقعہ کو دو شخص اپنے اپنے طرز فکر کے مطابق دو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کا بیان پڑھنے سے آدمی کے ذہن پر دو مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔"

موجودہ دور میں ہونے والی سائنسی ترقی اور نت نئی ایجادات ایک مسلمان کے ایمان واعتقاد میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ بشرطیکہ انہیں ایک مسلمان کی نظر سے دیکھا جائے۔ اس ضمن میں وہ مزید کہتے ہیں کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے' جو انسانوں کے دل میں ایمان کو گہری جڑوں سے راسخ کر دینے والا نہ ہو۔ فزکس' کیمسٹری' بیالوجی' فزیالوجی' اناٹومی' اسٹرانومی غرض جس علم کو بھی آپ دیکھیں' اس میں ایسے ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔ سائنس کے حقائق سے بڑھ کر آدمی کے دل میں ایمان پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے' یہی تو وہ آیات الٰہی ہیں جن کی طرف قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے کہ کافر سائنسدان نے ان حقائق کو اپنے نقطۂ نظر سے مرتب اور بیان کیا ہے۔ ان کو پڑھ کر آدمی الٹا مادہ پرست اور ملحد بنتا ہے اور اللہ کے تصور پر ہنستا اور اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری حکومت اس فرق کو سمجھے اور اس معاملے کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ ہم بے خدا سائنس اور بے خدا فلسفہ اور اجتماع علوم پڑھا کر خدا پرست انسان تیار نہیں کر سکتے۔"

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سائنسی مضامین اور سائنس کی لیبارٹریوں سے مذہب کے اخراج نے بنی نوع انسان کے لئے ایٹم بم اور نائٹروجن بم کی صورت میں تباہی و بربادی کے جال پھیلا

دیے ہیں۔ مصر کے مشہور مفکر سید محمد قطب اپنی کتاب ''اسلام اور جدید مادی افکار'' میں کہتے ہیں کہ

''ہمارے لئے بہر حال مذہب و سائنس کو برسر پیکار سمجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور نہ ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم علمی تحقیق کے میدان میں سے مذہب کو رخصت کر دیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہماری یہ روش صرف مغرب کی اندھی تقلید اور یورپ کی ذہنی غلامی ہی کہلائے گی اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ہمارے اپنے مخصوص حالات ہیں۔ ہمارے کچھ قومی خصائص ہیں اور ہمارا اپنا منفرد نظام زندگی اور ضابطۂ حیات ہے اور یہ سب امور مل کر ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم مذہب و سائنس میں کوئی نہ کوئی تعلق اور رشتہ قائم رکھیں۔ اسی صورت میں ہم اپنے وجود کو بیرونی فکری یلغار اور داخلی انتشار سے بچا سکتے ہیں۔''

بہ حیثیت مسلمان قوم ہم پر لازم ہے کہ ہم دور جدید میں ہونے والی سائنسی تحقیقات میں اپنا کردار ادا کریں کیونکہ جدید تحقیقات ایک مسلمان کا ایمان بڑھاتی اور عقیدے کو پختہ کرتی ہیں۔ لہذا سائنس پڑھانے والے مسلمان اساتذہ کو چاہیے کہ وہ سائنسی مضامین کی تدریس خالصتاً اسلامی طریقے سے کریں۔

مسلمانوں کی سائنسی خدمات

سائنس کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف حیرت انگیز ایجادات کی ہیں بلکہ موجودہ سائنس کا وجود بھی مسلمانوں ہی کا مرہون منت ہے۔ اسلامی تاریخ میں سینکڑوں مسلمان مفکرین اور سائنس دانوں نے بنی نوع انسان کی فلاح و بہتری کے لئے انتھک محنت اور جدوجہد کی اور گرانقدر کتب تصانیف کیں۔ کیمیا، طبعیات، حیوانیات، زراعت، علم ہیئت، طب، ریاضی، علم نباتات غرض ہر علم میں تحقیق و ایجادات کر کے مسلمانوں نے سائنسی ترقی کی بنیاد رکھی۔ برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ:

''جب یورپ تاریک دور سے گزر رہا تھا اس وقت عربوں کی کوششوں سے تہذیبی روایات آگے بڑھتی چلی گئیں اور راجر بیکن جیسے عیسائیوں نے قرون وسطیٰ کے سائنسی نظریات سے جو فائدہ اٹھایا وہ درحقیقت عربوں ہی کے طفیل تھا۔'' (برٹرینڈ رسل ''دی سائنٹیفک آؤٹ لک'' صفحہ نمبر ۲۱-۲۲)

اسی طرح علامہ ڈاکٹر فریدون زمان ''عہد اسلامی میں سائنس اور فلسفہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:

''ساتویں صدی عیسوی میں یونانی سائنس کو مردہ ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔ اگر مسلمان

علماء ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کو تلاش کر کے عربی میں ترجمہ نہ کرتے تو قوی امکان تھا کہ آج اس دنیا میں ان کتابوں کا وجود نہ رہتا۔"

سید قطب شہید اپنی کتاب "جادہ ومنزل" کے صفحہ ۲۱۲ پر رقمطراز ہیں کہ:

اس حقیقت سے کسی کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ تجربہ باتی علوم (EMPIRCAI SCIENCES) جو عہد حاضر میں یورپ کی صنعتی تہذیب کی روحِ رواں ہیں ان کی جنم بھومی یورپ نہیں ہے بلکہ اندلس اور مشرق کے مسلم ممالک کی اسلامی یونیورسٹیاں ہیں۔ ان علوم کے بنیادی اصول اسلام کی ان تعلیمات اور ہدایات سے اخذ کیے گئے تھے جن میں کائنات اور اس کی فطرت اور اس کے سینے میں مدفون طرح طرح کے ذخائر وخزائن کی جانب واضح اشارے موجود ہیں۔ بعد میں اسی نہج پر یورپ کے اندر ایک مستقل علمی تحریک برپا ہوئی اور کشاں کشاں وہ ترقی اور تکمیل کے مراحل طے کرتی رہی۔ اسی عرصہ میں عالم اسلام کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اسلام سے دور ہوتا چلا گیا جس کے نتیجے میں اسلامی دنیا میں یہ علمی تحریک پہلے جمود اور سہل انگاری کا شکار ہوئی اور پھر بتدریج ختم ہو گئی۔ یورپ نے اسلامی دنیا سے باتی علوم کا جو طریق اخذ کیا تھا، اس کا رشتہ اس نے اس کی اسلامی بنیادوں اور اسلامی معتقدات سے کاٹ دیا اور اس نے تجرباتی علوم کے اسلامی طریق کار کو بھی اللہ کی ہدایت سے محروم کر دیا۔

پنڈت نہرو اپنی کتاب (GLIMPSES OF THE WORLD History) کے صفحہ نمبر ۱۵۱ پر لکھتے ہیں کہ:

"عربوں سے پہلے مصر چین اور ہندوستان میں کوئی سائنٹیفک علم نہیں تھا۔ بالکل معمولی علم یونان میں پایا جاتا تھا۔ روم میں تو بالکل مفقود تھا مگر عربوں نے سائنٹیفک علوم کی بنیاد ڈالی اور وہ "فادر آف ماڈرن سائنس" کہلانے کے مستحق ہیں۔"

مسلمانوں نے نہ صرف کاغذ سازی، شیشہ سازی، چرم سازی، گھڑی سازی اور اسلحہ و بارود بنانے میں نمایاں کام کیا بلکہ زراعت، نباتات، الجبرا، ریاضی، طبیعات، کیمیا، حیوانات، فلکیات اور فن تعمیر میں بھی خدمات سرانجام دیں۔ آج امریکہ، یورپی ممالک نے جن علوم وفنون میں مزید تحقیق کر کے کمال حاصل کیا ہے ان کی ابتدا صدیوں پہلے مسلمانوں نے کی تھی۔ غور وفکر اور علم وتحقیق ہمیشہ سے مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں بڑے فلسفی، محدث، فقیہہ، طبیب، مورخین، سیاست

دان اور سائنس دان پیدا ہوئے۔ البیرونی، ابو ہاشم، بوعلی سینا، عمر خیام، الرازی، جابر بن حیان، الہیثم، ابن اسحاق کندی، علی ابن سہیل ربان الطبری، ابونصر الفارابی، ابن جزلہ، الزرقلی، الہیثم، ابوالقاسم الزہراوی، ابوالحسن علی المسعودی، ابن باجا، ابن طفیل، شریف ادریسی وغیرہ ایسے عظیم مسلمان سائنس دان، مفکرین اور دانشور تھے جنہوں اپنی دن رات کی کوششوں اور فکر و تحقیق سے سائنس کی دنیا میں حیرت انگیز ایجادات کیں اور نادر کتب لکھیں۔ ذیل میں چند نامور مسلمان محققین اور سائنس دانوں کا تذکرہ ناگزیر ہے۔

ابو ہاشم خالد

ابو ہاشم خالد کو دنیا کے پہلے مسلمان کیمیا دان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قدرت نے اسے بلا کی ذہانت عطا کی تھی۔ اس نے علم کیمیا پر نادر کتب لکھیں۔

”مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں سائنس کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ ابو ہاشم خالد جن کا تعلق خاندان بنو امیہ سے تھا کیمیا اور طب کے علوم وفنون کا جید عالم تھا۔ اس کو فن کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے اسی نے اس علم میں مہارت حاصل کی تھی اور اس پر کئی کتابیں لکھیں۔ البیرونی نے ابو ہاشم کو مسلمانوں کا سب سے پہلا حکیم تسلیم کیا ہے۔ ابو ہاشم جوانی ہی میں فوت ہو گیا لیکن اس کی روشن کی ہوئی شمع سے مسلمان سائنسدان صدیوں تک تحقیق کی راہ پر گامزن رہے۔“ (حیاتیات: تالیف محمد سلیم قریشی)

جابر بن حیان

جابر بن حیان تاریخ اسلام کے عظیم سائنس دان تھے۔ آپ ۷۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ جابر بن حیان نے سو (۱۰۰) سے زائد کتب تحریر کیں۔ ان کی مشہور کتب میں ”اسرار الکیمیا“ ”المیزان“ قابل ذکر ہیں۔ جابر بن حیان نے اپنی کتب میں فولاد بنانے، دھاتوں کو صاف کرنے، چمڑا رنگنے، لوہے پر نکل کرنے اور خضاب تیار کرنے کے طریقے درج کیے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ لوہا، جست اور تانبے کو سونے چاندی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یورپ میں آج بھی اس کی کتابوں سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔ جابر بن حیان نے علم کیمیا میں نادر معلومات فراہم کیں اور اپنی تحقیقات و انکشافات سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

البیرونی

البیرونی ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوا۔ اسے فلکیات پر کافی مہارت حاصل تھی۔ البیرونی نے پہلی مرتبہ فلکیات میں ریاضی اور جیومیٹری کا مکمل استعمال کیا۔ قانون المسعودی فی الحیات والنجوم، التفہیم، اور آثار الباقیہ، اس کی مشہور تصانیف ہیں۔ عزیز احمد خان، البیرونی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”اس نے زمین کی محوری گردش کا صحیح وقت نکالا۔ طول البلد اور عرض البلد کے صحیح فاصلے معلوم کیے۔ اس نے کسی بھی جگہ اور کسی بھی مقام سے کعبہ کا رخ معلوم کرنے کی ترکیب، ریاضی اور جیومیٹری کی مدد سے بتائی۔ اس نے سندھ کے علاقے کی جگہ صدیوں پہلے سمندر کا ہونا بتایا تھا۔ جو بعد میں صحیح ثابت ہوا۔ اس کی زمین کے مرکز عالم ہونے سے اختلاف تھا۔ (اللہ کی عظمت: صفحہ نمبر ۲۵)

ابن رشد

ابن رشد ۱۱۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک عظیم مفکر اور فلسفی تھے۔ آپ نے علم فلکیات پر تحقیقات کیں۔ سورج کی سطح پر موجود دھبے ابن رشدی ہی نے دریافت کیے۔ الکلیات فی الطب، اس کی مشہور کتاب ہے۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی، کا شمار بھی عظیم سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ اس کی کتابیں یورپ کی مختلف درس گاہوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ الخوارزمی نے زمین کو گول قرار دیا۔ صورت الارض، اس کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔

الرازی

ابوبکر بن زکریا الرازی ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ علم طب کے ماہر تھے۔ رازی نے چیچک کا ٹیکہ ایجاد کیا اور خسرہ پر کتاب ”الجدری والحسبہ“ کے نام سے لکھی۔ رازی نے ہر قسم کے انسانی امراض پر تحقیق کی۔ اس کی ایک تصویر پیرس کی یونیورسٹی میں اب بھی موجود ہے۔ یورپ کی درس گاہوں میں صدیوں تک اس کی کتب نصاب میں شامل رہیں۔ اسے سرجری میں خاصی مہارت حاصل تھی۔ کہتے ہیں کہ آپریشن کے بعد جلد کو سینے کا طریقہ اسی نے ایجاد کیا تھا۔ اس نے ۱۸۴ کتب لکھیں۔ دس جلدوں پر مشتمل ”المنصوری“ اس کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔ ”الحاری نامی کتاب کی تیس جلدیں ہیں۔ اسے سائنس کا خزانہ بھی کہا جاتا ہے۔

یعقوب بن اسحاق الکندی

یعقوب بن اسحاق الکندی ۸۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار بھی مسلمانوں کے عظیم مفکر اور سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ عزیز احمد خان لکھتے ہیں کہ:

''یہ علم فلکیات، علم ریاضی، طبیعیات، علم بصریات، نجوم، معدنیات، جغرافیہ، کیمسٹری، موسیقی اور علم طب میں ماہر تھا۔ خصوصاً راجر بیکن اس کی کتابوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ طب میں مرکب دواؤں کا استعمال اور خوراک کی مقدار مقرر کی۔ ۲۶۵ کتابیں لکھیں جن میں سے بہت سی کھو گئیں۔ اس کی بعض کتابوں کے کئی لاطینی ترجمے ہوئے جن کو یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا تھا۔ (اللہ کی عظمت: صفحہ ۴۵)

بوعلی سینا

شیخ بوعلی سینا اسلام کے عظیم سائنس دان تھے۔ آپ نے ۹۹ کتب لکھیں، جن میں ۱۶ طب پر ہیں۔ آپ کا شمار دنیا کے عظیم ترین سائنس دانوں میں کیا جاتا ہے۔ شیخ بوعلی سینا کے متعلق پروفیسر براؤن کا کہنا ہے کہ:

''آج بھی جرمنی کی درسگاہوں میں شیخ کی آرا سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ان کی وہ کتابیں جو ان کے اپنے وطن میں موجود نہیں ہیں، یورپ کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

شیخ بوعلی سینا طب، ریاضی، فلکیات، فلسفہ اور فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ اس قدر ذہین تھے کہ صرف دس سال کی عمر میں آپ نے پورا قرآن حفظ کر لیا۔ آپ نے سب سے پہلے جسمانی حرارت ناپنے کا آلہ ایجاد کیا جسے بعد میں تھرمامیٹر کی شکل دی گئی۔

شیخ بوعلی سینا کی عظیم کتاب ''الشفا'' ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے جب کہ ''القانون فی الطب کی ۱۴ جلدیں ہیں اور پندرھویں صدی عیسوی تک مشرق و مغرب کی یونیورسٹیوں میں اس کی کتاب ''القانون'' داخل نصاب رہی ہے۔

عبدالمالک اصمعی

عبدالمالک اصمعی کا شمار علم سائنس کی بنیاد ڈالنے والے پہلے مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ علاوہ

ازیں یعقوب بن اخی حزام ۹۰۲ء بھی علم حیوانیات پر کافی عبور رکھتا تھا۔ اس نے ایک کتاب حیوانات پر تحریر کی جو آج بھی برطانیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ ''عبدالمالک اصمعی جو ۷۴۱ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے' اہل مغرب میں جانوروں کے ماہر مانے جاتے تھے۔ انہوں نے جانوروں اور پودوں پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کی پہلی کتاب ''الخیل'' گھوڑوں کے متعلق ہے۔ دوسری کتاب ''اابل'' میں اونٹوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ تیسری کتاب ''الشفاء'' میں بھیڑوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ چوتھی کتاب ''الوحوش'' میں جنگلی جانوروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پانچویں کتاب ''خلق الانسان'' میں انسانی جسم کے حصوں کی تشریح کی گئی ہے اور ان کے افعال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یورپی ماہرین حیوانیات میں یہ کتاب بہت مقبول رہی ہے۔ (حیاتیات: تالیف محمد سلیم قریشی)

باب نمبر: ۱۳

سائنسی مضامین کی تدریس اور مسلمان استاد

باب نمبر:۱۳

سائنسی مضامین کی تدریس اور مسلمان استاد

کیمیا:۔

کیمیا سائنس کا ایک ایسا شعبہ ہے جس کا کام مادہ، اس کے خواص اور اس کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کرنا ہے۔ علم کیمیا ان اصولوں اور قوانین کا مشاہدہ کرتا ہے جن کے تحت یہ تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ دورِ جدید میں ہونے والی سائنسی ترقی میں کیمیا کا بڑا عمل دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیمیا کو ہماری درس گاہوں میں اہم مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔

''مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ اتنے اہم مضمون کو اسلامی خطوط پر پڑھائے، اس طرح طلبہ کے ایمان میں اضافہ ہو اور ان کے دل و دماغ پر اللہ ذوالجلال کی عظمت سایہ فگن ہو جائے۔

ڈاکٹر عبدالسمیع ''کیمیا کی تدریس کا نظریاتی پہلو'' کے صفحہ نمبر ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ:

''کوئی کیمیا دان دراصل ''خالق'' نہیں ہے بلکہ وہ صرف ایک دریافت کنندہ ہے، وہ صرف ایک استعمال کنندہ ہے مثلاً ایک کیمیا دان نے HCL بنایا۔ اس نے ہائیڈروجن اور کلورین کی مدد سے HCL تیار کیا۔ ہائیڈروجن اور کلورین کے اندر کیمیائی عمل اشتراک ایک ودیعت شدہ صفت ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ نے ان عناصر کو عطا کی۔ کیمیا دان نے صرف اس صفت کو دریافت کیا اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی مدد سے HCL بنایا۔ اس نے مرکب کے اندر اپنی مرضی کی صفات کا مطالعہ کیا اور ان صفات سے بہت سارے فائدے حاصل کئے۔ HCL کی ساخت بھی پہلے سے ایک طے شدہ امر ہے، کیمیا دان نے معلوم کیا کہ اس مرکب کا فارمولا HCL ہے، پس HCL کے اندر استعمال ہونے والی ہائیڈروجن اور کلورین اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اور HCL کی ساخت و صفات کیمیا دان کی مرضی کے تحت نہیں ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کیمیا دان اپنے بنائے ہوئے مرکبات کا ''خالق'' نہیں ہے بلکہ خالق تو صرف اللہ ہے۔ اسی طرح پانی کا فارمولا ہے [illegible] انسان نے یہ فارمولا صرف دریافت کیا

ہے۔ $H2o$ کی صفات کیمیا دانوں نے دریافت کی ہیں نہ کہ پیدا کی ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔"

ڈاکٹر عبدالسمیع مزید لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت ودانائی کا مشاہدہ ایٹمی ساخت کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ یہ کل عناصر چھوٹے چھوٹے ذروں سے بنے ہیں۔ ان ہی چھوٹے چھوٹے ذروں میں ایٹم کا شمار ہوتا ہے۔ ہر عنصر کا اپنا ایٹم ہوتا ہے۔ اس کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ ان ایٹموں کے اندر ایک خوب صورت دنیا آباد ہے‘ جس کے اندر نہایت چھوٹے چھوٹے ذرے نہایت قرینے سے رکھے گئے ہیں۔ ان کی ساخت کو دیکھ کر ہر مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ودانائی کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الذی احسن کل شیء خلقه: السجدة‘7﴾

ترجمہ: "جو چیز بھی اللہ نے بنائی خوب ہی بنائی۔"

طبیعیات

طبیعیات سائنس کا ایک ایسا شعبہ ہے جو کائنات کی مادی اشیاء کا مشاہدہ اور ان پر تحقیق کرتا ہے۔ خدا کی وسیع وعریض کائنات کے ذرے سے لے کر نظام ہائے شمسی تک طبیعیات کے دائرہ کار میں شامل ہیں۔ ان دنوں کمپیوٹر اور دیگر جدید آلات کی وجہ سے طبیعیات کا شمار اہم ترین مضامین میں کیا جاتا ہے۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ تدریس طبیعیات کے وقت اسلام کے نقطۂ نظر کو یاد رکھے۔ کائنات کی ساخت‘ چاند سورج اور زمین وآسمان کے بارے میں قرآنی آیات کا مطالعہ کرے اور اس کائنات میں پائے جانے والے باہمی ربط‘ آفاقی قوانین‘ باہمی اشتراک‘ توازن واعتدال اور نظم وضبط سے اپنے طلبہ کی توجہ خالق کائنات کی عظمت وصناعی کی طرف مبذول کرے۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ یہ کائنات اور اس کے اندر پائے جانے والے انسان‘ حیوانات‘ نباتات وجمادات‘ پہاڑ‘ دریا‘ درخت‘ زمین وآسمان‘ چاند‘ سورج‘ ہوا‘ بادل غرض ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر شے اللہ تعالیٰ کے طے کردہ قانون اور ضابطہ کی پابندی کر رہی ہے۔

زراعت ونباتات

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وھو الذی ....لایت لقوم یومنون﴾(الانعام : ۹۹)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی' پھر اس سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا کیے۔ پھر ان سے تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کی وجہ سے جھکے پڑتے ہیں اور انگور' زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور سے دیکھو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔''

کسی بھی ملک کی ترقی وخوشحالی میں زراعت کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ زراعت سائنس کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اس کا مقصد پودوں' جانوروں' کھیتوں اور پھلوں کا مطالعہ اور ان سے زیادہ فوائد حاصل کرنا ہے۔

آج کل پوری دنیا میں زراعت ونباتات کی تعلیم وتدریس پر کافی توجہ دی جارہی ہے جس کی وجہ سے زراعت کے میدان میں ہونے والی تحقیقات کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ مسلمان استاد زراعت ونباتات جیسے اہم مضامین کو اسلامی تناظر میں پڑھائے۔

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو مسلمان زراعت کا کام کرتا ہے یا پودے لگاتا ہے اور اس میں سے چڑیا کوئی انسان یا کوئی جانور کھالے تو وہ اس کے لیئے صدقہ بنتا ہے۔''

اس حدیث مبارکہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے زراعت اور شجرکاری کو باعث اجر اور صدقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے جنگ کے دوران درختوں کو کاٹنے' فصلوں کو روندنے یا جلانے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی بے شمار جگہوں پر فصلوں' درختوں' پودوں' کھیتوں اور باغات وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پروفیسر ارشد جمیل ''قرآن کریم اورنباتات وزراعت کی تدریس'' کے صفحہ نمبر۱۰ پر رقمطراز ہیں کہ زراعت ونباتات کی تدریس کے دوران:

''صفات باری تعالیٰ کی طرف ایسے حکیمانہ انداز سے نشاندہی کی جائے کہ نفس مضمون کا خالص سائنسی انداز قطعی متاثر نہ ہو۔ مثلاً نباتاتی علوم کا ایک فقرہ ہے ''کتاب فطرت کائنات کی دلچسپ ترین تصنیف ہے' اس فقرہ کو اگر یوں لکھا جائے ''کتاب فطرت خالق کائنات کی دل چسپ ترین تصنیف ہے۔'' تو یہ ذہن پر اپنا ایک نقش چھوڑ جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿والارض مددنها ......له برزقين﴾(الحجر ۱۵: ۱۹'۲۰)

ترجمہ: ہم نے زمین کو پھیلا دیا۔ اس میں پہاڑ جما دیے اور اس میں ہر قسم کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار میں اگائیں اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے۔ تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی دوسری مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملاحظہ ہو کہ چھوٹا سا ایک بیج زمین کا سینہ چیر کر ایک تناآور درخت بن جاتا ہے۔ اس میں انسان کا کام فقط بیج بونا ہے۔ خدا کا سورج' بارش' مٹی' ہوا اس بیج کی پرورش کر کے اسے گھنیرے سایہ دار درخت میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

زراعت ونباتات کی تدریس کے دوران مسلمان استاد اگر چھوٹے سے بیج اور معمولی سے پتے کا بغور معائنہ کرے تو اسے پتے کے اندر حیران کن حقائق کی ایک دنیا آباد نظر آئے گی۔ پتے کے اندر باریک باریک بے شمار مسام موجود ہوتے ہیں جن سے پودا سانس لیتا ہے اور اگر سورج کی روشنی پتوں پر نہ پڑے تو پودا گھٹن کی وجہ سے کملا جاتا ہے۔

''آپ نے کبھی نہ کبھی بچوں کو بھول بھلیاں قسم کا عقدہ (Puzzle) حل کرتے دیکھا ہوگا۔ یقین جانیے کہ سبز پتے کی پیچیدہ مشین کے سامنے یہ بھول بھلیاں کا گورکھ دھندا بہت سادہ سی چیز ہے۔ فطرت کی خلاقی کا کمال دیکھنا ہے تو سبز پتے کا مطالعہ کیجیے کہ یہ قدرت کا ایک حیرت انگیز ورکشاپ ہے۔''
(ڈاکٹر غلام جیلانی برق ''عظیم کائنات کا عظیم خدا'' ص ۱۰۱)

یہ معمولی سا پتا ایک قدرت کا ایک عجیب وغریب شاہکار ہے۔ پتے کے درمیان میں ایک

موٹی رگ (MIDKIB) ہوتی ہے۔ اسی موٹی رگ سے بہت سی باریک باریک رگوں کا جال پتے پر پھیلا ہوتا ہے۔ پتے کو سونگھنے سے بھینی بھینی سی خوشبو آتی ہے' آخر اس میں خوشبو کہاں سے آئی ہے؟ غرض مسلمان استاد زراعت و نباتات کی تدریس کے دوران طلبہ کو خالق کائنات کی قدرت کا مشاہدہ کرا سکتا ہے۔

حیوانیات: (ZOOLOGY)

اسی طرح حیوانیات (ZOOLOGY) کے اساتذہ کو تو اپنی گفتگو کا آغاز ہی تخلیق آدم علیہ السلام سے کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں کائنات میں پھیلے ہوئے انسان' جانور' اور حشرات الارض کے بارے میں قرآنی نقطۂ نظر کو سمجھنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿واللہ خلق کل دابۃ من مآء..............ان اللہ علی کل شیء قدیر﴾ (النور ۲۴: ۴۵)

ترجمہ: "اور اللہ نے ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

قرآن نے انسانوں کے علاوہ بہت سے جانوروں اور حشرات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مکھی' چیونٹی' گدھا' گھوڑا' بکری' شہد کی مکھی' خنزیر' گائے' مچھر' مینڈک' سانپ' بندر وغیرہ وغیرہ۔ زوالوجی کے اساتذہ ان جانوروں اور خود انسانی جسم کی عجیب و غریب اور حیرت انگیز ساخت کے حوالے سے اللہ کی کبریائی اور صناعی طلبہ کے گوش گزار کر سکتے ہیں۔ سائنسی مضامین کی تدریس کے دوران مسلمان استاد ذاتی مطالعے اور مشاہدے کے حوالے سے طلبہ کو مفید معلومات پہنچا سکتا ہے۔ بہرصورت یہ تمام مساعی اس کی دل چسپی اور لگن کی مرہون منت ہوگی۔

عمرانی علوم کی تدریس

موجودہ دور میں عمرانی علوم (Social Scieces) کی افادیت و اہمیت مسلمہ ہے۔ امام غزالی کی رائے میں عمرانی علوم شرعی علوم کہلاتے ہیں۔ مسلمان استاد کو چاہیے کہ وہ ان علوم کی تدریس سے قبل کائنات' کائنات میں انسان کی حیثیت' خالق کائنات سے انسان کا تعلق جیسے موضوعات پڑھائے۔

عبدالقدیر صاحب اپنی کتاب ''عمرانی علوم کی تدریس کا نظریاتی پہلو کے صفحہ نمبر ۵۰ پر لکھتے ہیں: ''عمرانی علوم کی تدریس کے سلسلے میں خصوصی طور پر ذیل کے مقاصد پیش نظر رکھے جائیں گے۔

(۱) طلبہ کے ذہن میں اللہ کا درست تصور پیدا کرنا۔ وہ کائنات کا خالق، مالک، رب (پرورش کرنے والا) اپنی تمام مخلوق پر مہربان، ہادی، حکمران اور محاسب ہے۔

(۲) یہ تصور کہ اللہ کی صفتِ عدل کا تقاضا ہے کہ نیک لوگوں کو جزا اور ظالموں کو سزا دے۔ دنیا میں اللہ کا اقتدار قائم کرنے اور اس کی نیابت کا فریضہ ادا کرنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں وہ اس ذمہ داری کو پورا کریں۔ آخرت میں قیام عدل، اللہ کے ہاتھوں ہوگا اور وہ ہر ایک کو پوری پوری جزا و سزا دے گا۔

(۳) طلبہ کے ذہن میں کائنات کی ابتدائی تخلیق کا تصور، جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا، اس نے کائنات کو بغیر کسی چیز کے بنایا ہے۔ تخلیق اور تعمیر (Creation and construction fabrication) کا فرق

(۴) انسان کی کائنات میں حیثیت: وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ خلیفہ کے مفہوم تشریح۔ اقتدار کے ساتھ ذمہ داریوں کا تصور۔

(۵) طلبہ کو نبیوں اور ان کی قوموں کے ابتدائی حالات سے آگاہ کرنا کہ ان میں اللہ کی فرمانبرداری اور نافرمانی کے درمیان امتیاز کرنے کا رجحان پیدا ہو اور نافرمانی کے عواقب سے آگاہی ہو۔

عمرانی یا سماجی علوم کی تدریس ایک وسیع احاطہ رکھتی ہے۔ مسلمان استاد مختلف مثالوں تاریخی اور دور حاضر کے واقعات سے استدلال کرتے ہوئے طلبہ کے نوخیز ذہن کی گرہیں کھولنے کا کام کر سکتا ہے۔ عمرانی علوم کی تدریس سے نہ صرف طلبہ میں ان علوم کی آگہی پیدا کی جا سکتی ہے، بلکہ ان کی مخفی صلاحیتوں کو بیدار کیا جا سکتا ہے۔ طلبہ کے لیے فکر و عمل کی راہیں کھولی جا سکتی ہیں۔

''طلبہ میں یہ احساس پیدا کرنا کہ اسلام میں حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کی کیا اہمیت ہے۔ حق کے ساتھ ایک فریضہ کس طرح وابستہ ہے۔ پھر حقوق نیز فرائض کی ابتدا سب سے پہلے ان افراد کے ساتھ ہوتی ہے جن سے انسان کا قریب ترین تعلق ہے۔ یعنی والدین، پھر رشتہ دار، پڑوسی، شہری اور پوری نسل انسانی۔ طلبہ میں یہ شعور پیدا کرنا کہ سارے انسان ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے تمام

انسانوں کی خیر وفلاح ہر ایک انسان کا فرض ہے۔ (عمرانی علوم کی تدریس کا نظریاتی پہلو صفحہ نمبر ۵۰ از عبدالقدیر سلیم)

تاریخ

تاریخ پڑھانے والے اساتذہ ہندستان اور برطانیہ کی تاریخ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تاریخ پڑھائیں تاکہ طلبہ میں انسانیت پیدا ہو پھر خلافت راشدہ کی اسلامی تاریخ‘ خلافت کی بادشاہت میں تبدیلی کی وجوہات کا تذکرہ کریں۔ اس کے بعد اپنے طلبہ کو برصغیر پاک و ہند کی تاریخ سے آگاہ کیا جائے۔ یہاں کے باشندوں اور مختلف اقوام کے بارے میں بتایئے۔ ان کے رسم ورواج‘ عقائد اور ثقافت کا تذکرہ کیجیے۔ برصغیر میں محمد بن قاسم کے ذریعے اسلامی تعلیمات کا فروغ کیسے ہوا؟ پھر انگریزوں کا غلبہ‘ تحریک پاکستان‘ ہندوؤں‘ سکھوں‘ انگریزوں اور مسلمانوں کی کشمکش اور حصول پاکستان کے لئے دی جانے والی بیش بہا قربانیوں کے بارے میں طلبہ کو آگاہ کیجیے اور بتایا جائے کہ حصول پاکستان کا مقصد یہاں پر شریعت اسلامیہ کا نفاذ تھا۔

تاریخ کے اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ تاریخ کی ایسی خطرناک غلطیوں کی نشاندہی کریں جن کی وجہ سے کسی قوم کی تاریخ کا رخ پھر جاتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کھلے دل اور کھلے ذہن کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پروفیسر عبدالقدیر سلیم کہتے ہیں کہ:

”طلبہ کو ان غیر مسلموں کے کارناموں سے بھی روشناس کرایا جائے۔ جنہوں نے اپنی قوم‘ وطن یا انسانیت کے لیے خدمات انجام دیں۔ علم انسانی میں اضافہ کیا۔ ایجادات‘ اختراعات کیں۔ محنت‘ لگن اور یکسوئی سے کام کیا اور اس طرح بعض بڑے مقاصد کو حاصل کیا۔ انہیں یہ بتایا جائے گا کہ جو بھی محنت و دیانت سے کام کرتا ہے‘ چاہے وہ دنیا کے کسی حصے کا رہنے والا اور کسی قوم سے تعلق رکھنے والا ہو۔ اس کے عمل کے ثمرات درآمد برآمد ہوتے ہیں۔ (عمرانی علوم کی تدریس کا نظریاتی پہلو صفحہ نمبر ۵۰ از عبدالقدیر سلیم)

معاشیات

﴿نحن قسمنا بینھم معیشتھم ....﴾ (الزخرف: ۳۲)

ترجمہ: ”ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی ہے اور ان میں سے

بعض کو بعض پر درجے دیے ہیں تا کہ ان میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں سے کام لیں اور تیرے رب کی رحمت تو اس مال و دولت سے بھی بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔"

دور جدید میں معاشیات کا مضمون ایک اہم درجہ رکھتا ہے' معاشیات کے اساتذہ ان عنوانات کے تحت پڑھا سکتے ہیں۔

(۱) جدید معاشی نظریات

(۲) اسلام کا معاشی نظام

(۳) معیشت کی اہمیت

(۴) اسلام کا نظام بیت المال

(۵) بینکنگ' بیمہ کمپنیوں' اور مالیات کے دیگر اداروں کا اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہونا وغیرہ

پروفیسر عبدالقدیر سلیم لکھتے ہیں کہ:

"مدرسہ کی سطح ہی سے طلبہ میں سماجی اور معاشی مسائل کا گہرا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کالجوں اور جامعات کی سطح پر ان کی تنقیدی صلاحیت کو مزید صیقل کیا جائے۔ مثلاً انہیں یہ بتایا جائے کہ اپنے ملک اور ساری دنیا کے پس ماندہ اور کم آمدنی والے لوگوں کے مسائل کیا ہیں۔ (غذا' تعلیم' لباس' صحت' ٹرانسپورٹ' تفریح وغیرہ) طبقہ امراء اور اس کے طرز زندگی (Life Style) کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تنقیدی نظر سے پیش کیا جائے۔ طلبہ میں ایک متوازن اور سادہ زندگی کے لیے محرک پیدا کرنا' اسراف و تبذیر' عیش کوشی' آرام طلبی اور استحصال پر مبنی زندگی کے خلاف ان کے فطری ردعمل کو قوی کرنا چاہیے۔ (عمرانی علوم کی تدریس کا نظریاتی پہلو' صفحہ نمبر ۴۷) پروفیسر زین الدین "علم معاشیات کی اسلامی تشکیل' کے تحت رقمطراز ہیں کہ:

"تقابلی نظام معیشت بھی علم معاشیات کا بنیادی موضوع ہے' سرمایہ داری' اشتراکیت اور اس کی مختلف ملی جلی معیشت اور اسلامی نظام معیشت کا تقابلی مطالعہ ضروری ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی خوبیاں اور خامیاں کتب میں عام طور پر درج ہیں۔ اسلامی نظام معیشت کا تفصیلی تذکرہ شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نقطہ کی وضاحت ضروری ہے کہ اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے بنیادی مقاصد یکساں ہیں۔ دونوں مادی فلاح پر یقین رکھتے ہیں۔ دونوں معاشی عمل میں جبریت کے قائل ہیں۔

دونوں نظاموں کی فکری اساس (Deductive Logic) پر قائم ہے۔ جبکہ اسلامی نظام معیشت کی رو سے دولت کے وسائل امانت ہیں' رزق حلال کی ترغیب ہے اور رزق حلال سے پرہیز لازم ہے۔ انسان صارف ہو' صنعت کار ہو' کسان ہو' مزدور ہو یا حکمران سب ایک برتر نظام اخلاق کے پابند بنائے گئے ہیں اور اس نظام کے اندر ہی مختلف فرائض ادا کر سکتے ہیں۔ اس کی اجرت ادا کرو۔ اس میں یہ وعید ہے کہ محشر میں اللہ اور اس کا رسول اس مزدور کی طرف سے دعوے دار ہوں گے جس سے کام تو پورا لیا گیا مگر اجرت کم ادا کی گئی۔ اس میں یہ ہدایت کی گئی کہ دولت تمہارے اغنیاء کے اندر نہ گردش کرتی رہے۔ اسراف و نمود و نمائش پر اترانے کی سخت ممانعت کی گئی' محنت سے کمائے ہوئے رزق کو افضل کہا گیا ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ استحصالی کمائی مثلاً سود' جوا' سٹے بازی اور احتکاز کو ممنوع قرار دیا گیا۔ زمین کو لگان پر دینے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ غرض کہ ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں اسلامی نظام معیشت کی تشکیل کی گئی۔

سیاسات اور دیگر علوم

سیاسیات پڑھانے والے معلمین' علم السیاسیات' سیاست کا مقصد' نصب العین' جدید سیاسی رجحانات' دساتیر عالم اور قرآن مجید' اسلام اور نظام سیاست' اسلامی معاشرتی نظام اور سیاست کا موجودہ باطل نظریہ کے بارے میں معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔

قانون کی تعلیم دینے والے اساتذہ اسلام کا نظام عدل و قانون' قرآن کے قوانین صلح و جنگ مہر و طلاق' شادی و خلع' لین دین اور تجارت کے بارے میں بتائیں۔ تاریخ' علم الفقہ' منصف (جج) کے اوصاف وغیرہ کے عنوانات کے تحت طلبہ کو بہتر معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔

علوم اسلامیہ کے اساتذہ روایتی طور پر اسلامی عقائد اور ارکان اسلام کی تعلیم ہی نہ دیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام' فلسفہ دین و مذہب' اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابلی جائزہ' اسلامی تحریکیں' اسلامی نظام معیشت' سیاست' معاشرت' عدالت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے واضح تصورات کے بارے میں بھی بتائیں۔

علاوہ ازیں دیگر مضامین مثلاً صحافت و ابلاغیات' نفسیات' جغرافیہ اور فلسفہ وغیرہ میں بھی اسلام کے نقطۂ نظر کو اجاگر کیا جائے۔

یاد رکھیے! طلبہ کی سیرت و کردار کی تعمیر صرف دینیات کے پیریڈ تک محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ ایک ایک لمحہ اس مقصد عظیم کے حصول کے لیے صرف ہونا چاہیے۔ طلبہ خواہ معاشیات کے پیریڈ میں ہوں یا سائنسی تجربات میں مصروف فزکس' کیمسٹری کی کلاس ہو یا ریاضی و انگریزی کا سبق پڑھ رہے ہوں۔ معلم کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف انہیں اخلاقیات کا درس دے اور ہر مضمون میں ان کی نفسیاتی' اخلاقی اور مذہبی رہنمائی کرے بلکہ ہر مضمون کو اسلامی نقطہ نظر سے پڑھائے۔

باب نمبر: ۱۴

کامیاب مسلمان استاد؟

باب نمبر: ۱۴

کامیاب مسلمان استاد

وسیع و عریض بنگلے کا مالک ہونا، دولت کے ڈھیر جمع کرنا، لمبی چوڑی کار رکھنا، ہوائی جہازوں میں سفر کرنا، قالینوں پر گھومنا پھرنا اور مرغن کھانے اڑانا کیا یہی کامیابی کا معیار ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کون سا معیار ہے جس پر پورا اتر کر ایک مسلمان استاد خود کو کامیاب استاد کہہ سکے۔ دنیا میں بہت سے افراد اپنے آپ کو ایک کامیاب فرد سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت ایک کامیاب انسان وہ ہے جس کا ضمیر مطمئن ہو۔ ایک استاد کی حیثیت سے کامیاب استاد وہی ہوسکتا ہے جو اسلام کے اصول زندگی اور اسلاف کے کارناموں سے طلبہ کو آگاہ کرے۔ انہیں مقصد زندگی عطا کرے۔ ان کی عادات و اخلاق کو سنوارنے ان میں فرائض و ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرے اور حسن عمل سے ان کی سیرت پر اچھے اثرات ڈالنے کی کوشش کرے اور اس پر اگر اس کا دل پرسکون اور ضمیر کو اطمینان نصیب ہو تو یہی اس کی کامیابی کی ضمانت ہے اور وہ ایک کامیاب استاد تصور ہوگا۔ اسی بات کو اگر ہم تھوڑا سا پھیلا کر دیکھیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حقیقی معنوں میں ایک کامیاب مسلمان استاد وہ ہے جس کے طلبہ میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جائیں۔

۱۔ وہ قرآن و سنت کو سمجھیں اور ان پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو اسی راہ پر چلنے کی تلقین کریں۔

۲۔ اسلامی اخلاق و عقائد اور اسلام کے جملہ بنیادی اصولوں اور تقاضوں کو سمجھتے ہوں۔

۳۔ ہر شعبہ زندگی میں محنت، لگن اور دیانتداری سے کام کریں۔

۴۔ اپنے خاندان اور محلے کے مخلص افراد ہوں اور ملک و قوم کے وفادار شہری بنیں۔

۵۔ بزرگوں خصوصاً اپنے والدین کا احترام کریں اور بڑھاپے میں اپنے والدین کا سہارا بنیں اور ان کی خدمت و اطاعت ان کا شعار ہو۔

۶۔ انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور سادہ زندگی بسر کریں۔

۷۔ اخلاق و کردار، صبر و ضبط، بردباری، جذبہ ایثار اور اسلامی آداب معاشرت سے واقف ہوں۔

۸۔ کوشش پیہم، انتھک محنت، تگ و دو، عمیق مشاہدہ اور تحقیق و جستجو طلبہ کا شعار ہونا چاہیے۔

۹۔ ان کے دل میں برائی کے بارے میں نفرت اور نیکی کے بارے میں محبت پائی جائے۔ وہ نہ صرف نیکی کو پسند کریں، بلکہ اسے سرانجام دیں۔ اس کا ساتھ دیں اور اسے اجتماعی طور پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔

۱۰۔ وہ معاشرے کے باضمیر اور غیرت مند افراد ہوں، ان کے معاملات میں دیانت داری، باتوں میں نرمی و محبت اور عادات میں پاکیزگی و وقار نمایاں ہو۔

۱۱۔ انہیں حسد، غضب، زر پرستی، فحاشی، دھوکہ بازی، لالچ اور دوسری اخلاقی برائیوں کا احساس ہو اور وہ وسیع النظر، فراخ دل، نیک نیت اور معاشرے کے باکردار افراد ہوں۔

۱۲۔ وہ اسلامی طرز زندگی گزارنے کا سلیقہ رکھتے ہوں۔ حلال و حرام کی تمیز کر سکتے ہوں اور معاشرتی زندگی میں والدین، رشتہ دار اور ہمسایوں کے حقوق پہچانتے ہوں۔

۱۳۔ طلبہ اسلامی اصولوں اور عقائد کو باپ دادا اور خاندانی روایات کے طور پر مانیں بلکہ شعوری طور پر ایمان رکھتے ہوں اور یہ جانتے ہوں کہ اس ایمان کے بعد ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

۱۴۔ رنگ و نسل، علاقہ و خاندان یا قومیت و فرقہ واریت کے تعصبات سے بالاتر ہوں۔

۱۵۔ طلبہ میں سادگی و انکساری، راستبازی، اپنا کام خود کرنے کی عادت، اور خلق خدا کی خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے۔

۱۶۔ طلبہ میں کم از کم اتنی تمیز ہو کہ جن چیزوں سے اسلام منع کرتا ہے انہیں ناپسند کریں اور جن باتوں کا اسلام حکم دیتا ہے انہیں نہ صرف پسند کریں بلکہ اپنانے کی کوشش کریں اور اسلامی تہذیب اور اسلامی نظام زندگی کو دنیا پر غالب کرنے کا عزم و حوصلہ رکھتے ہوں۔

قرآنی ہدایت، نیکی، روشنی، عبرت اور نصیحت کا بہترین سرچشمہ ہے۔ اسلامی ریاست کا دستور، نیکو کاروں کے لئے خوشخبری اور بدکاروں کے لئے تنبیہ ہے۔ قرآن تمام انسانی مسائل کا حل ہے۔ اس لئے طلبہ میں کم از کم اتنی صلاحیت پیدا کرنا ہر مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ قرآن کو سمجھ کر پڑھ سکیں، جو لوگ قرآن کو سمجھ کر نہیں پڑھتے وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ طلبہ میں اتنا ذوق پیدا ہو جائے کہ وہ قرآن میں فکر و تدبر سے کام لیں۔ قرآن کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

"اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ نہ اس کے موضوع کا براہِ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے۔ لیکن چونکہ یہ اسی مصنف کی تصنیف ہے جس نے کائنات کو تصنیف کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے، اس لیے اس کے گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالب علم کو نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی فارمولا معلوم ہو جاتا ہے۔ بلکہ قریب قریب ہر شعبۂ علم میں اسے ایک صحیح نقطۂ آغاز (StarTing Point) اور تلاش و تجسس کے لئے ایک صحیح رخ (Direction) بھی ملتا ہے۔ یہ وہ شاہ کلید (Master key) ہے جس سے تحقیق کا سیدھا راستہ صاف کھل جاتا ہے، جس کی مشکل کشائی سے اگر آدمی کام لے تو اس کا بہت سا وقت گتھیوں کے سلجھانے اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں ضائع نہ ہو۔"

بہ حیثیت مسلمان استاد آپ کا اولین اور بنیادی فرض ہے کہ طالب علموں کے دل میں قرآن عظیم الشان کی عظمت اور عقیدت پیدا کریں تا کہ وہ قرآن کو پڑھیں، سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔"

مدرسہ نظم وضبط قائم کرنا

کائنات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیت منکشف ہوتی ہے کہ پوری کائنات کا نظام ایک ضابطے کا پابند ہے، زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، پانی، ہوا، روشنی، دن رات کا بدلنا اور موسموں کا تغیر سب کچھ ایک قاعدے کے مطابق ہو رہا ہے۔ دریا، سمندر، درخت، پہاڑ ایک زبردست قانون فطرت میں جکڑے ہوئے ہیں۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے لئے بھی چند قوانین، ضابطے اور قواعد کا ہونا لازمی امر ہے، تا کہ وہ ان قواعد پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کرے۔

مسلمان استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو نظم وضبط سکھائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب خود استاد اس پر عمل کرے۔ اگر طلبہ سادگی اور نظم وضبط کی اہمیت کو نہیں سمجھتے تو تعلیمی ادارے کی مجموعی فضاء میں

تعلیم اور مسلم علماء

امام غزالیؒ (۱۰۵۹۔۱۱۱۱)

حجۃ الاسلام غزالیؒ ۱۰۵۹ء کو ایران میں پیدا ہوئے۔ آپ مسلمانوں کے عظیم صوفی، عالم، فلسفی اور استاد تھے۔ آپ کو فلسفہ، منطق، نفسیات، ریاضی اور سائنسی علوم پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے عملی تدریس کو عبادت کا درجہ قرار دیا۔ آپ عملی تعلیم میں اصلاح، تربیت اور ہدایت کو لازمی سمجھتے تھے۔ امام غزالیؒ کا مقام و مرتبہ اس لحاظ سے بہت بلند ہے کہ انہوں نے تعلیمی اصولوں کی بنیاد انسانی نفسیات اور سماجیات کے اصولوں پر رکھی۔ انہوں نے علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ علم ظاہر اور علم باطنی۔ آپ نے علم دین اور علم دنیا دونوں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

امام غزالیؒ کے تعلیمی نظریات

آپ نے ایمان کو علم کی بنیادی شرط قرار دیا۔ ان کا کہنا ہے پہلے توحید، رسالت، آخرت اور تقدیر پر ایمان کامل لانے کے بعد پھر علم حاصل کیا جائے۔ آپ تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے حامی تھے۔ آپ کا کہنا ہے کہ دور جدید کے تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں پوشیدہ ہے۔ آپ پہلے مسلمان مفکر ہیں جنہوں نے دنیاوی علوم کو شامل نصاب کیا۔ آپ نے ذہنی تفریح اور کھیل کود کو تعلیم کے لیے ضروری قرار دیا۔ آپ نے علم کے چار مقاصد بیان فرمائے۔

۱۔ معرفت رب کا حصول
۲۔ رضائے الٰہی کا حصول
۳۔ فکر آخرت کی نشوونما
۴۔ کردار سازی یعنی علم سے تعلق باللہ پیدا ہو

فکر آخرت کو اپنا شعار بنائے اسی طرح اپنی سیرت و کردار کو سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں پروان چڑھائے اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر عمل کر کے اپنے رب کو راضی کرے۔

امام غزالیؒ ''معلمی کو عبادت اور تعلیم میں اصلاح اور ہدایت کو لازمی سمجھتے تھے۔ احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں کہ:

''جو خصوصیت انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے وہ علم ہے۔ انسان اس وقت انسان کہلاتا ہے جب انسانی شرافت کی باتیں اس میں موجود ہوں اور انسان کی شرافت جسمانی قوت کے باعث نہیں ہے کہ اونٹ اس سے قوی جانور ہے نہ کہ جسامت کے باعث ہے کہ ہاتھی اس سے بہت جسیم ہے نہ شجاعت کے سبب ہے کہ درندے اس سے زیادہ شجاع ہیں نہ کھانے کے باعث کہ بیل کی غذا اس سے زیادہ ہے۔ انسان کا جو کچھ شرف ہے وہ علم کے باعث ہے اور اس علم کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔''

معلم کے فرائض

۱۔ معلم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے، ایک لحاظ سے استاد کا درجہ والدین سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ والدین کا تعلق بچے کی جسمانی نشوونما سے ہوتا ہے جبکہ استاد کا تعلق روحانی پرورش اور اخلاقی تربیت کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ معلم کو کسی انعام، تحفے، رقم سند یا شاباش کا طالب نہیں بننا چاہیے، کیونکہ علم کا دوسروں تک پہنچانا منجانب اللہ فرض ہے۔

۳۔ معلم کو چاہیے کہ بچوں کی استعداد، کارکردگی اور لیاقت کے مطابق کلاس کی درجہ بندی کرے

۴۔ معلم طلبہ کو برائیوں سے روکنے کے لئے نرمی و محبت اور اشارے کنائے کا طریقہ اختیار کرے

۵۔ معلم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کے سامنے اپنے مضمون کی تعریف اور دوسرے مضامین کی برائی بیان نہ کرے۔

۶۔ معلم کو چاہیے کہ طلبہ کی نفسیات اور ذہنی استعداد کے مطابق بات کرے۔

۷۔ معلم کو چاہیے کہ پڑھانے کے لیے خوب محنت اور تیاری کرے۔ آسان طریقہ تدریس اختیار کرے۔

۸۔ معلم کو چاہیے کہ اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرے کیونکہ طلبہ کی نظر علمی مہارت کے ساتھ ساتھ عملی کردار پر بھی ہوتی ہے۔

۹۔ معلم کو چاہیے کہ طلبہ کو سبق ذہن نشین کرانے کے لئے سابقہ معلومات کے ساتھ نئے سبق کو

پیوستہ کرے۔

۱۰۔ معلم کو چاہیے کہ طلبہ کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے انہیں نار آخرت سے بچائے۔

۱۱۔ معلم کو چاہیے کہ تدریس کے فرائض عبادت سمجھ کر ادا کرے اور تدریس کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

۱۲۔ معلم کو چاہیے کہ طلبہ کی خیر خواہی کو ہر چیز پر فوقیت دے۔

۱۳۔ معلم کو چاہیے کہ طلبہ کو ناروا سزائیں دینے اور لعنت ملامت سے گریز کرے۔

۱۴۔ معلم کو چاہیے کہ وہ علم کی تدریس میں شرعی اصولوں کا خاص خیال رکھے۔

۱۵۔ معلم کو چاہیے کہ وہ اپنے پیشہ اور علمی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ دوسروں کی عیب جوئی نہ کرے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تعلیم کے دس اصول بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ رذائل اخلاق اور صفات ذمیمہ سے دل کی طہارت کی طرف پیش قدمی کرنا۔ اس لیے کہ علم دل کی عبادت اور تنہائی یا رازداری کی نماز اور اللہ تعالیٰ سے باطنی قربت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ دینوی مشاغل سے اپنے علائق کو کم کرے۔ اور اپنے اہل و عیال اور اپنے وطن سے دور رہے کیونکہ علائق مشغولیت پیدا کرنے والے اور مانع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے ہیں۔ جب فکر بٹی رہے گی تو حقائق کے ادراک سے قاصر رہے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ علم تجھ کو اپنا بعض (قلیل حصہ) نہیں دے گا‘ جب تک تم اس کو اپنا سب کچھ نہ دے دو۔

۳۔ علم پر غرور نہ کرے اور نہ استاد پر حکومت کرے بلکہ اپنے معاملے کو ہر حال میں بالکل اس کے اختیار پر چھوڑ دے۔ استاد کی نصیحت کو اُس طرح مانے جس طرح کوئی جاہل بیمار و مشفق و حاذق طبیب کی مانتا ہے۔ اس لئے استاد سے عاجزی و انکساری سے پیش آئے اور اس کی خدمت سے ثواب و شرف کا طالب ہو۔

۴۔ طالبعلم ابتدائے امر میں لوگوں کے اختلافات سننے سے پرہیز کرے۔ خواہ وہ علوم دنیا کا طالب ہو خواہ علوم آخرت کا۔ اس لئے کہ اختلافات کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر‘ ذہن

پریشان اور رائے سست ہو جاتی ہے اور اسے فہم وادراک سے مایوس کر دیتی ہے۔

۵۔ طالب علم عمدہ علوم میں سے کوئی فن اور اس کی اقسام میں سے کوئی قسم نہ چھوڑے اور ایسی نظر غائر سے اس کا مطالعہ کرے کہ اس کے مقصود اور علت غائی سے مطلع ہو جائے پھر اگر اس کی زندگی وفا کرے تو اس فن میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ ورنہ جو اہم ہو اس میں مشغول ہو کر اس کو تو پورا ہی کرے۔ اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے‘ اس لئے کہ علوم ایک دوسرے کے مددگار اور آپس میں ایک دوسرے سے مربوط‘ اور وابستہ ہیں۔

۶۔ فنون علم میں سے کسی فن کو دفعتاً اختیار نہ کرے بلکہ ترتیب کا لحاظ رکھے اور جو اہم ہو اس سے ابتدا کرے۔ اس لئے کہ عمر اکثر تمام علوم کی تحصیل کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ پس احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہر چیز سے اس کا عمدہ حصہ حاصل کرے اور اس میں سے تھوڑے ہی پر قانع ہو۔

۷۔ کسی فن میں اس وقت تک قدم نہ رکھے جب تک کہ اس سے پیشتر فن کو پورا نہ کرے۔

۸۔ اس سبب اور ذریعہ کو معلوم کرے جس سے علوم کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ یہ شرف دو چیزوں سے ہوتا ہے: اول نتیجہ کے شرف سے کہ نتیجہ اچھا رہے۔

دوم: دلیل کی پختگی اور اس کی قوت سے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے علم دین اور علم طب کہ اول کا ثمرہ حیات ابدی اور دوسرے کا ثمرہ حیات فانی ہے۔

۹۔ تحصیل علم کی غرض سر دست اپنے باطن کو آراستہ کرنا اور اس کو فضائل سے مزین کرنا ہو اور انجام یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔

۱۰۔ مقصود اصلی سے علوم کا تعلق معلوم کرے تا کہ جو علم مقصود سے قریب ہو اس کو بعید پر ترجیح دے اور جو علم اہم اور ضروری ہو اس کو اختیار کرے۔

ابن خلدون (۱۳۳۲۔۱۴۰۴)

ابوزید عبدالرحمان ابن خلدون‘ مسلمانوں کے عظیم مورخین‘ عالم دین‘ سیاستدان‘ جغرافیہ دان اور ماہر نفسیات تھے۔ آپ یکم رمضان ۱۳۳۲ء کو تیونس میں پیدا ہوئے۔ ابن خلدون کے تعلیمی نظریات انتہائی جامع اور فطری اصولوں پر مبنی ہیں۔ آپ کو عربی‘ فلسفہ‘ عمرانیات‘ فقہ اور علم حدیث وتفسیر پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سیاست‘ معاشرہ اور تعلیمی نظام کے لئے واضح

اصول فراہم کیے۔

ابن خلدون نے استدلال اور مشاہدہ دونوں کو حصول علم کے لیے لازم قرار دیا۔ نصاب سازی میں قرآن فہمی کو بنیادی حیثیت دی اور تدریسی عمل میں قرآن مجید کی تعلیم وتلقین کو ضروری قرار دیا۔

مقاصد تعلیم

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ جس طرح خوراک' لباس اور مکان انسانی ضروریات ہیں اسی طرح معاشرے میں زندگی گزارنے کے لیے اسے تعلیم کی ضرورت ہے کیونکہ تعلیم انسان کو صالح اور پاکیزہ سوچ دے کر معاشرے کا بہترین فرد بناتی ہے۔

۱۔ تعلیم کے ذریعے آئندہ نسلوں کو اعلیٰ افکار ونظریات کی ترسیل
۲۔ اجتماعی نظام کا قیام
۳۔ احترام انسانیت سکھانا تعلیم کا بنیادی کام ہے۔
۴۔ حقوق العباد کی ادائیگی
۵۔ عزت نفس شجاعت اور خوداعتمادی پیدا کرنا
۶۔ تفکر' مشاہدہ اور اجتہاد کی صلاحیت پیدا کرنا
۷۔ دنیا وآخرت میں کامیاب زندگی گزارنے کے قابل بنانا
۸۔ علمی تخصص پیدا کرنا

ابن خلدون استاد کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ آسان سے مشکل کی طرف اور معلوم سے نامعلوم کی طرف اور اسی طرح کے دوسرے اصولوں کی پیروی کرے۔ ابن خلدون ایک کامیاب استاد کے لیے اصول تعلیم' طلبہ کی نفسیات اور ذہنی سطح کا علم ضروری قرار دیتا ہے۔ ابن خلدون کے خیالات جدید اور سائنسی حقائق پر مبنی ہیں۔ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ استاد کو ایک وقت میں صرف ایک ہی علم سکھانا چاہیے۔ اور اس کے لیے آسان زبان استعمال کی جائے تاکہ طلبہ کی توجہ زبان کے مشکل الفاظ میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ مقدمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں کہ:

''طالب علموں کے لیے علوم کی تلقین اس وقت مفید ثابت ہوسکتی ہے جب وہ تھوڑا تھوڑا تدریجاً پڑھائے جائیں۔ پہلے ہر فن کے چند اصولی مسئلے ذہن نشین کرائے جائیں۔ پھر اجمال کے ساتھ

ان کی شرح بیان کی جائے اور اس میں ان کی قوت فہم اور استعداد ملحوظ رکھی جائے، یہاں تک کہ فن کے آخری حصے انہیں سمجھائے جائیں۔ اس وقت ان میں اس فن کے متعلق ایک قسم کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔ پھر دوسرے فن کی جانب رجوع کیا جائے اور اس ترتیب سے وہ فن بتدریج انہیں پڑھایا جائے۔" (صفحہ ۶۱۱)

ابن خلدون کا نظریہ سزا

تعلیمی اداروں میں سزاؤں کا تصور ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔ بعض اساتذہ سزا کو عمل تعلیم کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں جبکہ بعض کا خیال ہے کہ بوقت ضرورت حالات و موقع کی مناسبت سے جسمانی سزائیں دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن خلدون کا نظریہ سزا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ عمل تعلیم کے دوران سزا کے سخت مخالف تھے۔

سائنس اور کمپیوٹر کے موجودہ دور میں ماہرین تعلیم اور نفسیات دان اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ طلبہ کو سزائیں دینے سے نہ صرف انہیں سخت ذہنی اور اخلاقی نقصان پہنچتا ہے بلکہ ان کے اندر بغاوت و سرکشی کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے اساتذہ کو چاہیے کہ جسمانی سزاؤں سے گریز کریں ورنہ تعلیم سے نفرت شاگرد کی زندگی کا رخ بدل سکتی ہے۔

ابن خلدون کی رائے میں جسمانی سزا دینے سے طلبہ کا تعلیمی اکتساب رک جاتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے دماغ سے خوشی مسرت کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں طلبہ میں جھوٹ، سہل پسندی، غفلت اور نفاق کی عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ابن خلدون اساتذہ کو سختی سے منع کرتے ہیں کہ اگر وہ معلمی کے فرائض انجام دینا چاہتے ہیں تو سزاؤں کا سلسلہ ختم کریں۔ اگر طلبہ اکتساب سبق نہیں کر رہے تو معلم خود محنت کرے، مثالوں سے سمجھائے، طلبہ پر زور زبردستی ہرگز نہ کرے۔ ابن خلدون کے نظریہ سزا میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ نے اساتذہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کی سزا دینے کی روش بچوں میں چوری، حیلہ خوری اور جھوٹ کو پروان چڑھاتی ہیں۔ وہ ڈرے اور سہمے ہوئے رہتے ہیں۔ ان کے اندر اعلیٰ اخلاق، شجاعت، جوانمردی اور علو ہمتی ختم ہو جاتی ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک ایک کامیاب معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کے بنیادی اصولوں، طلبہ کی نفسیات و مسائل اور ان کی سابقہ واقفیت اور ذہنی سطح سے باخبر ہو۔ ابن خلدون کے تعلیمی نظریات حیرت انگیز طور پر آج کے جدید کمپیوٹر عہد کے ماہرین تعلیم و ماہرین نفسیات سے ملتے جلتے ہیں۔

ہمارے نظام تعلیم میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے متعلق ابن خلدون نے واضح اصلاحی تدابیر بیان کیں ہیں۔ اس کے علاوہ نصاب تعلیم اور معلم کے فرائض کے بارے میں بھی ابن خلدون نے خیالات ونظریات انتہائی اہم اور فاضلانہ ہیں۔

شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳-۱۷۶۲)

قطب الدین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی برصغیر پاک وہند کے عظیم مسلم رہنما تھے۔ آپ ۱۷۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جس دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا اس دور میں مغلیہ خاندان باہمی کشمکش کا شکار تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے زوال کی وجوہات بیان کیں اور برصغیر کو غیر تسلط سے بچانے کیلئے احمد شاہ ابدالی کو ہندستان پر حملہ کی دعوت دی۔ آپ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں لانا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک زندگی کا مقصد قرآن وحدیث سے اخذ کرنا چاہیے آپ نے فکری روحانی اخلاقی وتعلیمی مسائل ومعاملات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح اصول وضع کیے۔ آپ نے مسلمانوں کو شرک، توہم پرستی، قبر پرستی اور دیگر سماجی واعتقادی برائیوں سے بچانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

آپ نے قرآن پاک کا سب سے پہلے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ "حجۃ اللہ البالغۃ" آپ کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔ جس میں آپ نے مسلمانوں کو اچھی زندگی گزارنے کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ "صراط مستقیم" بھی آپ کے ارشادات پر مبنی اعلیٰ کتاب ہے۔ آپ نے اپنی کتب میں ہر اس چیز کو برائی قرار دیا جو حسن خلق کے خلاف ہو۔ آپ کی رائے میں حسن خلق ہی انسان کو حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے۔

مقاصد تعلیم

۱۔ انسان کی فطری خوبیوں کی نشوونما کرنا

۲۔ انسان کی بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا اور مکان کی تکمیل کرنا

۳۔ انسان کی نفسیاتی ضروریات عزت نفس، خود اعتمادی، خودداری وغیرہ کی نشوونما کرنا

۴۔ انسانی شخصیت کی تشکیل کرنا

۵۔ مختلف برائیوں سے معاشرے کا تحفظ کرنا
۶۔ رفاہ عامہ کا اہتمام کرنا
۷۔ عقلی علوم اور علوم وحی کا امتزاج کرنا
۸۔ قرآن وسنت کی روشنی میں دینی علوم کی تجدید کرنا
۹۔ عوام الناس میں محبت، دوستی ایثار وقربانی کو فروغ دینا
۱۰۔ طلبہ میں نقل کا رجحان ختم کر کے تخلیق واجتہاد کا مادہ پیدا کرنا

شاہ ولی اللہ کے نزدیک ایک معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تدریسی عمل کے دوران مکمل ذہنی یکسوئی رکھتا ہو۔ کسی ابہام کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ یہ تضاد بیانی اور ابہام کو بھی مزید ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دے گی۔ معلم کو چاہیے کہ عمل تدریس کے دوران ذاتی مطالعہ، مشاہدہ اور عقل کی روشنی میں مختلف مسائل کو سمجھائے تاکہ طالبعلم کے ذہن میں کوئی الجھاؤ (Confusion) نہ رہے۔

سر سید احمد خان (۱۸۹۸۔۱۸۱۷)

سر سید احمد خان ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے بہ حیثیت ادیب، مصلح، سیاستدان، قانون دان، مترجم، مفسر اور صحافی اہم کردار ادا کیا۔ معاشرتی اصلاح کے لیے آپ نے تعلیم کو ہی بنیاد بنایا۔ آپ کی تعلیمی خدمات کی بدولت مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ آپ ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کو عربی، فارسی، فلسفہ، انگریزی، تاریخ پر عبور حاصل تھا۔ آپ فرسودہ رسومات، جہالت اور توہمات کے خلاف تھے۔ آپ نے برصغیر میں معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کو بے شمار مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور مسلمان قوم کی اصلاح کے لیے رسالے، کتب اور اخبارات نکالے۔ انجمنیں قائم کیں سکول اور کالج کھولے اور رفتہ رفتہ قوم کو تعلیم کی طرف راغب کیا۔

تعلیمی نظریات

آپ کا نعرہ تھا کہ ”تبدیلی بذریعہ تعلیم“، تعلیم کی اہمیت کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ:

“The Human soul without education is like a rough piece of marble unless sulptor works on it and removes its roughness"

یعنی تعلیم کے بغیر انسان کی روح ایک کھردرے سنگ مرمر کی طرح ہے یہاں تک کہ سنگ تراش اس پر اپنا کام کرے اور اس کا بے ڈھنگا پن دور کر کے اسے چمکا دے۔

آپ کے نزدیک تعلیم و تربیت محض لکھنا پڑھنا نہیں بلکہ آپ ان تمام اخلاقی و معاشرتی آداب کو سیکھنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے ہر انسان کو عملی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ سرسید احمد خان کا کہنا ہے کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دی جائے جبکہ اعلیٰ تعلیم جس میں سائنسی علوم (فزکس، کیمسٹری، بیالوجی وغیرہ) شامل ہیں وہ انہیں انگریزی زبان میں دی جائے تا کہ معاشرے میں انہیں روزگار کے مواقع مل سکیں۔ آپ نے دو طرح کے نصابات مسلمانوں میں رائج کیے۔

(۱) عام تعلیم۔

یہ تعلیم عام مسلمانوں کے لیے تھی اس میں دینیات، قرآن و حدیث، فقہ، تفسیر، جغرافیہ، سیاسیات، اخلاقیات وغیرہ شامل تھے۔

(۲) خاص تعلیم

یہ خاص تعلیم خاص مسلمانوں کے بچوں یعنی راجاؤں، امراء، نوابوں اور جاگیرداروں کے بچوں کے لیے تھی۔ اس میں جدید علوم، انگریزی، سائنس، فزکس، کیمسٹری وغیرہ شامل تھے تا کہ انگریزوں سے اچھے تعلقات قائم رہ سکیں اور اچھی ملازمت کا حصول ممکن ہو۔

تعلیمی خدمات

۱۔ ۱۸۶۲ء میں آپ نے مراد آباد میں پرشین سکول کھولا۔

۲۔ ۱۸۶۳ء میں آپ کو غازی پور تبدیل کر دیا گیا تو آپ نے غازی پور میں وکٹوریہ سکول قائم کیا

۳۔ ۱۸۶۴ء میں ایک انجمن سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور میں قائم کی تا کہ مسلمانوں میں جدید علوم کو فروغ دیا جائے۔

۴۔ ۱۸۷۵ء میں آپ نے علی گڑھ میں ایم اے او ہائی سکول قائم کیا۔ مولوی سمیع اللہ اس کے

پہلے پرنسپل تھے۔ دوسال بعد اس سکول کو ترقی دے کر کالج بنا دیا گیا۔ ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو انڈیا کے وائسرائے لارڈ لٹن نے اس کالج کا افتتاح کیا۔ ایم اے او کالج نے برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں[۴۲] بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ کالج دو حصوں پر مشتمل تھا۔

اورئینٹل سیکشن: اس حصے میں اردو مضامین پڑھائے جاتے تھے۔

انگلش سیکشن: اس حصے میں سائنسی علوم پڑھائے جاتے تھے اسلامی تاریخ اور دینیات کا مضمون تمام طلبہ کے لیے لازمی تھا۔

سرسید احمد خان نے مذہب' تاریخ اور تصوف کے روایتی تصورات سے ہٹ کر مسلمانوں کو سائنسی علوم ریاضی' فلسفہ اور ٹیکنیکل علوم کی طرف توجہ دلائی۔

سرسید احمد خان کو روزنامہ انصاف اسلام آباد نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''سرسید احمد خان نے مسلمان نوجوان کی ذہنی تعمیر کے لیے جس طرح اپنی زندگی کے قیمتی ماہ وسال خرچ کیے تعلیم کے فروغ کے لیے اپنی جھولی پھیلائی۔ لوگوں کی گالیاں سنیں' اپنوں کے طعنے' سہے' ہمارے حکمران یا قومی رہنما میں یہ ہمت ہے کہ وہ سرسید جیسا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرے اور ان کی تقلید کرتے ہوئے تعلیم کے فروغ کے لیے خود کو وقف کر دے؟ اس روشن ضمیر شخص نے جس دور میں جہالت کی تاریکی دور کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اس وقت تو کوئی بھی مسلم رہنما اس کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ کتنا کڑا وقت تھا' کتنی گہری مایوسی تھی' لیکن مایوسی کے ان گہرے سایوں میں بھی وہ سفید ریش بوڑھا پر امید تھا اور گلی گلی نگر نگر اسلامیان ہند کے آگے ہاتھ پھیلا رہا تھا۔ ایک بار اہالیان لاہور کو پتہ چلا کر سرسید ان کے شہر میں آ رہے ہیں۔ لاہوری اپنی روایات کے مطابق دیدہ و دل فرش راہ کر کے بیٹھ گئے۔ منٹو پارک میں ایک فقید المثال جلسہ عام ہوا۔ اکابرین مجلس نے باری باری پرجوش خطاب کیا۔ آخر میں سرسید اٹھے۔ انہوں نے نہ تو لمبی چوڑی تقریر کی اور نہ ہی کسی پر تنقید کی' نہ کسی کا گلہ کیا' کہا تو فقط اتنا کہا۔

''اہل لاہور! ہر روز کوئی نہ کوئی مداری' کوئی ریچھ والا تمہارے دروازے پر آتا ہے۔ تم اس کا کھیل دیکھتے ہو اور پھر حسب توفیق اسے آٹا' کپڑا یا پیسہ دیتے ہو؟ یہ کہہ کر کندھے پر پڑا رومال اپنے گلے میں ڈالا اور کہا'' آؤ! جس کا جی چاہے مجھے ریچھ سمجھ کر نچانے اور جس کا جی چاہے مجھ کو بندر سمجھ کر کرتب

کروالے مگر حسب توفیق آٹا اور پیسہ دے دے۔ مجھے قوم کے بچوں کے لیے اس کی اشد ضرورت ہے۔“

ایک سفید ریش بوڑھا' ایک بے مثال انسان' ایک بارعب اور قدآور آدمی اپنے گلے میں رسی کی طرح رومال باندھے کھڑا تھا اور لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے قدموں میں اپنی پونجی نچھاور کر رہے تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ آج ایک بار پھر سرسید کے سے جذبے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو گزرے دنوں کو ماتم کرنے کی بجائے اپنے پیش روؤں پر پھبتیاں کسنے کی بجائے صرف نوجوانان پاکستان کے مستقبل کی طرف دیکھے اور ہر چیز پر تعلیم کو مقدم سمجھے کیونکہ جہالت کے اندھیروں کو دور کیے بغیر ہم ترقی یافتہ قوموں کی برابری نہیں کر سکتے۔“ (روزنامہ اوصاف اسلام آباد۔ ۲۰ جولائی ۲۰۰۰ء)

سرسید کی وفات کے بعد یہ کالج ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا۔ یہاں سے عظیم مسلمان دانشور' شاعر' سیاستدان' مصنف اور صحافی تیار ہوئے جن میں الطاف حسین حالی' شبلی نعمانی' محسن الملک نواب مہدی علی خان' حسرت موہانی' وقار الملک نواب مشتاق حسین' لیاقت علی خان' مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی' ظفر علی خان' ڈاکٹر نذیر احمد' مولوی چراغ علی' وحید الدین سلیم' عبدالحلیم شرر وغیرہ وغیرہ۔

سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی سیاسی تعلیمی بیداری میں دن رات کام کیا' آپ نے دوقومی نظریہ پیش کیا اور سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے الگ قوم کی اصطلاح استعمال کی۔ آپ نے دن رات کام کر کے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی۔ اکبر الہ آبادی نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

ے ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

علامہ اقبال ؒ (۱۹۳۸۔۱۸۷۷)

علامہ اقبال ؒ مسلمانوں کے عظیم مفکر اور فلسفی شاعر تھے۔ آپ نے اپنی انقلابی شاعری سے برصغیر کے مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریز قوم کی غلامی سے نجات کا درس دیا۔ آپ اتحاد عالم اسلام کے زبردست مبلغ تھے۔ آپ نے نوجوان نسل کو سخت کوشی اور جہد مسلسل کا پیغام دیا۔ آپ کی شاعری کی بنیادیں مقصدیت پر استوار ہیں۔

آپ کے کلام میں جذبہ اصلاح اور تعلیمی رہنمائی ملتی ہے۔ آپ مغربی تہذیب اور مغربی نظام تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ آپ کے نزدیک تعلیم کا مقصد خودی عزت نفس اور خود اعتمادی کی پرورش کرنا' اخلاقی اقدار اور اسلامی طرز زندگی کا فروغ ہے۔ آپ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ:

؎ یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے' یورپ سے نہیں ہے

آپ مسلمان نوجوانوں میں محنت' لگن' شجاعت' ہمدردی' اطاعت نظم محبت' ایمان کامل' اتفاق واتحاد' جذبہ جہاد جیسی اعلیٰ صفات دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے اساتذہ کو تقلید کی بجائے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کی تلقین کی۔

؎ تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

آپ نے مسلمان نوجوانوں کو علم' تحقیق' محنت' سخت کوشی اور جدوجہد سے کائنات کو تسخیر کرنے کا چیلنج دیا۔

علامہ اقبالؒ کے تعلیمی نظریات

علامہ اقبالؒ کے عہد میں دو نظام رائج تھے۔ ایک تو قدیم نظام تعلیم تھا جو کہ دینی مدارس میں صدیوں سے رائج تھا۔ دوسرا نظام تعلیم انگریز قوم کا تیار کردہ تھا اور جدید سکولوں' کالجوں میں رائج تھا۔ علامہ اقبالؒ نے محسوس کیا کہ پہلا نظام تعلیم قرآن وحدیث اور فقہی مسائل سے تو آگاہ کرتا ہے۔ لیکن سائنسی علوم' مشاہدہ کائنات' تحقیق اور فلسفہ کو اہمیت نہیں دیتا۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ کو جدید علوم کے علاوہ سیاسی' معاشی اور بین الاقوامی مسائل کی خبر نہیں ہوتی۔ ان کے کلام میں ملا' تنگ نظری' جہالت اور تعصب کی علامت بن کر ابھرا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

؎ دنیا ہے روایت کے پھندوں میں گرفتار
کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ و دو
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

دوسری طرف علامہ اقبالؒ انگریزی تعلیم کے بھی مخالف ہیں کیونکہ یہ تعلیم مادیت پر مبنی تھی اور اخلاقیات اور دین و مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس تعلیم کا مقصد عام آدمی کو حکومتی مشینری کے لیے تیار کرنا تھا۔ یہ تعلیم لوگوں کو اخوت، ایثار اور اخلاق سے محروم کر رہی تھی۔ یہ تعلیم معاشرے میں بے مقصدیت اور مغربی طرز زندگی کو فروغ دے رہی تھی۔ آپ مغربی نظام تعلیم کو سازش قرار دیتے ہیں۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

علامہ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم کا حقیقی مقصد انسانی سیرت و کردار کی تعمیر اور تسخیر کائنات کی صلاحیت کو ترقی دینا ہے۔ علامہ اقبالؒ رب کائنات، عالم فانی اور انسان کو ایک کلی نظام کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اس نظام میں اللہ تعالیٰ ہی وہ عظیم ہستی ہے جو انسان کو زندگی گزارنے کے لیے احکامات و ہدایات فراہم کرتا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم کا مقصد مادی تعیشات کا حصول نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ تعلیم انسان کی اخلاقی و روحانی تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

وہ علم نہیں موت ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳۔۱۹۷۹)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ پاکستان میں اسلامی تحریک کے بانی اور عالم اسلام کے عظیم فلسفی، مفکر، مبلغ اور قائد تھے۔ آپ ایک ادیب، بلند پایہ صحافی، مفسر قرآن اور سیاسی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے نقیب تھے۔ آپ کی ساری زندگی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عملی جہاد میں گزری آپ نے دینی رسائل، اخبارات اور کتب کے ذریعے دین اسلام کو عقلی و سائنسی بنیادوں پر اچھوتے انداز میں پیش کیا۔ آپ اپنے دور کی سب سے زیادہ ہردلعزیز شخصیت عالم دین اور مصنف تھے۔ آپ کی جملہ تصانیف ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ آپ کی کتب نے نوجوان نسل کو دین کا شیدائی اور محافظ بنا دیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد ہندستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید احمد حسن تھا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کو ایک مکمل نظام حیات (System of life) کی حیثیت سے پیش کیا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ دین کا جامع تصور فراموش

ہو چکا تھا اور لوگ صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو ہی اسلام سمجھنے لگے تھے، آپ نے جہاد اور اقامت دین کی اہمیت اجاگر کی آپ کی کتب نے الجھے ہوئے ذہنوں کو صاف کیا اور ایمان ویقین کی دولت عطا کی۔ آپ نے سیاست عدالتی قوانین، معاشرتی مسائل، تاریخ اسلام اور اسلام کے تصور تعلیم کے بارے میں بھی واضح اصول وضع کیے۔ اسلامی ریاست، دینیات، خطبات، الجہاد فی الاسلام، خلافت وملوکیت اور پردہ آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔ آپ کی کتب اسلامی نظام تعلیم، تعلیمات عالم اسلام کی تعمیر میں مسلمان طلبہ کا کردار اور اسلامی یونیورسٹی کا نصاب تعلیمی شعبہ میں بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔

آپ ۴۰-۱۹۳۹ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر رہے آپ نے اسلام کی حقانیت اور پیغام کو آسان اور سادہ لفظوں میں نوجوان طبقہ تک پہنچایا۔ آپ کے ایک طالب علم مشتاق احمد لکھتے ہیں کہ ”مولانا کے خطاب میں وہ اثر ہوتا تھا کہ اسلامیات جسے ہم ایک خشک اور بارگراں مضمون سمجھتے تھے ہمارے لیے بہت دلچسپ بن گیا۔ طالب علم اس پیریڈ کا بے صبری سے انتظار کیا کرتے تھے ان کے خطاب سے زنگ آلود ذہن صاف ہونے شروع ہو گئے۔ ان کی آواز، زبان لہجہ استدلال اور فصاحت بیان میں اتنا لطف آنے لگا کہ ہر بات دل میں اترتی جاتی تھی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم میں سے اکثر طالب علموں کے ذہن اور پھر زندگی کے طور طریقے بدلنے شروع ہو گئے۔ (اعتراف عظمت صفحہ ۲۲۱)

تعلیمی نظریات

آپ مسلمان اساتذہ پر زور دیتے ہیں کہ وہ ایسی نسل تیار کریں جو اسلامی تہذیب پر فخر کرے اور اعلیٰ اخلاق کی حامل ہو۔ ”اسلامی سیرت پیدا کرنے کا انحصار بڑی حد تک معلمین کے علم وعمل پر ہے۔ جو معلم خود ایسی روح سے خالی ہیں، خیال اور عمل دونوں میں اس کے مخالف ہیں، ان کے زیر اثر رہ کر معلمین میں اسلامی سپرٹ کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ محض عمارت کا نقشہ بنا سکتے ہیں مگر اصلی معمار آپ نہیں، آپ کے تعلیمی سٹاف کے ارکان ہیں۔ (تعلیمات۔ صفحہ ۳۴)

تعلیمی پالیسی مرتب کرنے کے لئے آپ چاہتے تھے کہ ایسے لوگ یہ کام کریں جو اسلامی فکر رکھتے ہوں اور اسلام کو بہ حیثیت طرز زندگی اپنانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ اساتذہ کی سیرت وکردار فہم اسلام اور علم وتقویٰ کو تعلیمی نظام میں بنیادی حیثیت دینے کے قائل ہیں۔

”مدرسوں اور کالجوں کے لیے معلمین اور معلمات کے انتخاب میں ان کی سیرت

واخلاق اور دینی حالت کو ان کی تعلیمی قابلیت کے برابر اس سے زیادہ اہمیت دیں اور آئندہ کے لیے معلمین کی ٹریننگ میں بھی اس مقصد کے مطابق اصلاحات کریں۔ نظام تعلیم میں نصاب اور اس کی کتابوں سے بڑھ کر استاد اور اس کے کیریکٹر اور کردار زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فاسد العقیدہ اور فاسد الاخلاق استاد اپنے شاگردوں کو ہرگز وہ ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں دے سکتے جو ہمیں نئے نظام تعلیم میں مطلوب ہے۔'' (تعلیمات' صفحہ ۱۶۳)

عربی زبان چونکہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے ضروری بھی ہے اس لیے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تعلیمی نظام میں عربی زبان کو ہر سطح پر لازم قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن وحدیث کو بلا واسطہ نہ سمجھے گا' وہ اسلام کی روح کو نہیں پا سکتا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم کے بھی مخالف ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ دین اور دنیا کی علیحدگی کا تصور ایک غیر اسلامی تصور ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تمام علوم کا خالق بھی وہی ہے۔ مسلمان اساتذہ کو چاہیے کہ ہر علم کو اسلام کے نقطہ نظر سے پڑھیں کیونکہ اسلام کے نزدیک دین ودنیا علیحدہ نہیں بلکہ ایک شناخت رکھتے ہیں اور دین کا کام اس دنیا میں انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ انگریزوں کے وضع کردہ نظام تعلیم کے سخت خلاف تھے۔ آپ فرماتے ہیں: '' یہ تعلیم خدا پرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے غضب یہ ہے کہ یہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاقیات بھی پیدا نہیں کرتی جن کے بغیر کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔ اس کے زیر اثر پرورش پا کر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاء اللہ پوری طرح آراستہ ہیں مگر ان کی خوبیوں کی چھینٹ تک ان پر نہیں پڑی ہے۔ ان میں نہ فرض شناسی ہے نہ مستعدی وجفاکشی' نہ ضبط اوقات نہ صبر وثبات' نہ عزم واستقلال نہ باقاعدگی وباضابطگی' نہ ضبط نفس' نہ اپنی ذات سے بالاتر کسی چیز کی وفاداری۔ وہ بالکل خودرو درختوں کی طرح ہیں۔ جنہیں دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا ہے کہ ان کا کوئی قومی کیریکٹر بھی ہے۔ ان میں معزز سے معزز پوزیشن میں ہو کر بھی کسی کو ذلیل سے ذلیل بددیانتی اور بدکرداری کے ارتکاب میں دریغ نہیں ہوتا۔ ان میں بدترین قسم کے

رشوت خور، خویش پرور سفارشیں کرنے اور سننے والے، بلیک مارکیٹنگ کرنے اور کرانے والے، ناجائز درآمد برآمد کرنے اور کرانے والے، انصاف اور قانون اور ضابطے کا خون کرنے والے، فرض سے جی چرانے اور لوگوں کے حقوق پر ڈاکے مارنے والے اور اپنے ذرا سے مفاد پر اپنی پوری قوم کے مفاد اور فلاح کو قربان کردینے والے، ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہر شعبہ زندگی میں ہر جگہ آپ کو کام کرتے نظر آتے ہیں۔" (اسلامی نظام تعلیم۔ صفحہ ۱۸۵)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب میں ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے لیے الگ الگ مفصل نصابات بھی تجویز کیے ہیں۔ ان نصابات میں قرآن وحدیث کے علاوہ فقہ اسلامی، تاریخ، اسلامی عقائد، اخلاقیات اور عربی زبان کو شامل کیا گیا ہے۔ آپ عورتوں کی تعلیم کے بھی زبردست حامی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں "کوئی قوم اپنی عورتوں کو جاہل اور پسماندہ رکھ کر دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتی اس لیے عورتوں کی تعلیم کے لئے بھی اسی طرح بہتر سے بہتر انتظام کرنا ہے جیسا کہ مردوں کی تعلیم کے لئے یہاں تک کہ ہمیں ان کی فوجی تربیت کا بندوبست بھی کرنا ہے۔ (تعلیمات، صفحہ ۲۱۲)

غرض تعلیمی شعبے کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بے مثال رہنمائی فراہم کی ہے۔ آپ جدید علوم کو اسلامی تناظر میں دیکھنے کے قائل ہیں اور اس مقصد کے لیے سب سے پہلے قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ نے تعلیم سمیت دور حاضر کے تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجویز کیا ہے۔

امام حسن البناؒ شہید (۱۹۴۹۔۱۹۰۶)

امام حسن البناؒ شہید مصر کے عظیم مصلح، داعی، معلم اور مبلغ دین تھے۔ آپ نے عالم عرب میں اخوان المسلمون کے نام سے ایک بڑی جماعت قائم کی، اور ان نیک اور صالح افراد کے ذریعے مصر میں موثر تبدیلی لائے۔ امام حسن البناؒ مصر کے شہر محمودیہ میں اکتوبر ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام احمد بن عبدالرحمٰن تھا۔ امام حسن البناؒ شہید نے ابتدائی تعلیم محمودیہ کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا۔ آپ ایک ذہین اور صالح فطرت انسان تھے۔ بچپن میں آپ نے چند ہم عمر بچوں کے ساتھ مل کر ایک بزم بنائی جس کا نام جمعیت اخلاق ادبیہ رکھا۔ اس کا مقصد

بچوں میں اچھی عادات کو فروغ دینا تھا۔ آپ نے سکول کی حدود سے باہر ایک انجمن تشکیل دی جس کا نام جمعیت انسداد محرمات رکھا۔ اس تنظیم کا کام لوگوں کو نیکی کی تبلیغ کرنا اور برائیوں سے منع کرنا تھا۔

ابتداء میں آپ نے مصر کے شہر اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ میں ملازمت کی، دوران ملازمت آپ نے محسوس کیا کہ مصر پر انگریزوں کا تسلط ہونے کی وجہ سے پوری قوم میں مایوسی، ہراس اور دہشت کی فضا طاری ہے۔ امراء کا طبقہ مغربی تہذیب وثقافت اور مغربی تعلیم سے مرعوب ہے۔ عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ عوام اسلام کو معاشرتی ومعاشی رہنمائی سے قاصر سمجھتے تھے۔ ایسے پر آشوب حالات میں آپ نے اسماعیلیہ کے معاشرتی مذہبی، سیاسی اور تعلیمی صورتحال کا جائزہ لیا اور ایک کامیاب معلم اور داعی کی حیثیت سے اپنا مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ آپ نے مارچ ۱۹۲۸ء کو الاخوان المسلمون کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی جس کا مقصد مصر کے اندر اسلامی ریاست کا قیام اور مصر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا آغاز کر کے مسلمانوں کو تمام طاقتوں سے نجات دلانا ہے۔ اخوان المسلمون کا نعرہ تھا کہ اللہ ہمارا مقصود ہے، رسول ﷺ ہمارے رہنما ہیں، قرآن ہمارا دستور ہے۔ جہاد ہمارا راستہ ہے، شہادت ہماری آرزو ہے

امام حسن البناؒ شہید کی دعوت وتبلیغ کا یہ پہلو بڑا عجیب وغریب ہے کہ آپ نے نہ صرف کلاس روم سے طلبہ کی اصلاح ورہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا بلکہ عوام لناس کو اسلام کی دعوت دین کے لیے مساجد کی بجائے ہوٹلوں، بازاروں اور قہوہ خانوں میں اسلامی تعلیمات اور قرآن فہمی کی دعوت کا آغاز کیا۔ لوگ جوق در جوق قہوہ خانوں کا رخ کرنے لگے۔ اخوان المسلمین کے مدرس صرف دس یا پندرہ منٹ کا فکر انگیز درس دیتے اور لوگوں کو توحید کی دعوت، سیرت نبوی ﷺ اور فکر آخرت سے آگاہ کرتے۔ چند سالوں میں الاخوان کی دعوت اسماعیلیہ سے نکل کر پورے مصر میں پھیل گئی۔ پڑھے لکھے لوگ متوجہ ہوئے۔ یونیورسٹی اور کالجز کے طلبہ اس دعوت سے متاثر ہوئے۔ تاجر، ڈاکٹر، انجینئر اور اساتذہ اخوان المسلمون میں شامل ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اخوان ایک ایسی طاقت بن گئی جسے نظر انداز کرنا مشکل تھا۔

امام حسن البناؒ نے بہ حیثیت معلم اور داعی اسلام کا جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا وہ سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے معاشرتی اصلاح کے لیے ایک ہفت روزہ اخبار الاخوان جاری کیا۔ خدمت خلق کے مراکز قائم کیے اور عوام کی اخلاقی قوت کو منظم کر کے مصر میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک برپا کی۔

تعلیمی نظریات

انسانی تعلیم وتربیت کے بارے میں امام حسن البنا ؒ لکھتے ہیں کہ ''پہلا راستہ تصوف کا راستہ ہے جو اخلاص عمل اور برائیوں سے بچنے کا' دوسرا راستہ تعلیم وارشاد کا راستہ ہے۔ یہ راستہ انسانوں کے ساتھ اختلاط انسانوں کے حالات کے مطالعہ ان کے ساتھ میل ملاپ اور ان کی سماجی بیماریوں کے علاج سے عبارت ہے۔ دوسرا راستہ اللہ کے نزدیک زیادہ افضل اور پر عظمت ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اسی کی فضیلت اور اہمیت واضح کی ہے۔ جو شخص بھی علم سے فیض یاب ہو اور جسے بصیرت حاصل ہو جائے وہ دوسرا راستہ اختیار کرے۔'' (امام حسن البنا ؒ کی ڈائری صفحہ ۲۲۴)

امام حسن البنا ؒ دن رات دعوت دین کا کام کرتے تھے' آپ فرمایا کرتے تھے ''راحتی فی دعوتی'' میرا آرام میری دعوت کے کام میں ہے۔ آپ میں خدمت خلق اور جذبہ اصلاح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے تربیت انسانی کے لیے دس اصول بتائے۔

۱۔ تدبر ۔ ۲۔ اخلاص ۔ ۳۔ عمل ۔ ۴۔ قربانی ۔ ۵۔ اطاعت ۔ ۶۔ ثابت قدمی ۔ ۷۔ یکسوئی ۔
۸۔ اخوت ۔ ۹۔ باہمی اعتماد ۔ ۱۰۔ جہاد

امام حسن البنا ؒ اپنی تمنائے دل کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''میں معلم اور رہنما بن جاؤں۔ دن کا وقت اور سال کا بیشتر حصہ بچوں کی تعلیم وتدریس میں گزاردوں اور رات کو ان کے والدین کو یہ سکھاؤں کہ دین کا نصب العین کیا ہے۔ ان کی سعادت کے سرچشمے کہاں ہیں اور ان کی خوشیوں کا راز کس بات میں مضمر ہے۔'' (امام حسن البناؒ کی ڈائری صفحہ ۲۲۴)

امام حسن البنا ؒ مصر کے عوام کی اصلاح تعلیم وتربیت اور سیرت وکردار کی تشکیل کے اہم امور میں دن رات مشغول تھے۔ آپ کے ساتھیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ اس بات کو حکومت وقت نے اپنے لیے چیلنج سمجھا اور مصر کی سیکولر حکومت کے امام حسن البنا ؒ کے خلاف بے بنیاد الزامات لگا کر ان کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور امام کو ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کو قاہرہ کی سب سے بڑی شاہراہ پر شہید کر دیا گیا۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۳ سال تھی۔

پروفیسر سید محمد سلیمؒ (۲۰۰۰_۱۹۲۳)

پروفیسر سید محمد سلیمؒ تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''تعلیم ایک خاص نظریہ حیات کو فروغ دینے کا نام ہے۔ مخصوص طرز فکر اختیار کر لینے کا نام ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف مظاہرات کو ایک خاص انداز سے برتنے کا نام ہے، مظاہر کائنات کو ایک خاص رخ سے دیکھنے کا نام ہے، تعلیم قومی نظریہ حیات سے طالب علموں کے ذہنوں کو مزین کر دینے کا نام ہے۔'' بحوالہ ''مغربی تعلیم کی مخالف کیوں'' صفحہ ۲۸

آپ نے نہ صرف دور جدید کے نظام تعلیم پر کڑی تنقید کی بلکہ اسلامی نظام تعلیم کی نصاب سازی اور اساتذہ کی کردار سازی کے بارے میں قیمتی کتب بھی فراہم کیں۔ پروفیسر محمد سلیم نے مسلمانوں کی تاریخ، مذہب، تعلیم اور ثقافتی ورثے کے تحفظ میں اپنا بھر پور کردار ادا کیا۔

انگریزوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم اور دینی مدارس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، سید مرحوم کو اس کا پورا احساس تھا، چنانچہ آپ نے اپنی پوری زندگی اسلامی نظام تعلیم اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے لیے وقف کر دی۔

اسلامی نظریہ تعلیم سے متعلق پروفیسر سید محمد سلیم کا نقطہ نظر قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔ ان کے نزدیک مغربی نظام تعلیم سیکولرازم اور مادہ پرستی کے فروغ کا باعث ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ

''مغرب نے اپنے نقطہ نظر کی عمارت قوم ونسل اور وطنی تنگ نظری پر استوار کی ہے۔ اسلامی تصور کی بنیاد زمان ومکان سے ماورا ہے۔ قوم ونسل اور وطن کے امتیاز سے بالاتر ہے ان تصورات کی بدولت اسلام کے مطلوبہ انسان میں رفعت نظر اور بلندی فکر پیدا ہوتی ہے۔ بحوالہ ''مغربی نظام تعلیم تنقید وتبصرہ'' صفحہ ۳۸

پروفیسر سید محمد سلیم کے نزدیک تعلیم ذریعہ روزگار نہیں بلکہ مقصد حیات معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ تعلیم سے ہدایت الٰہی کا علم ہوتا ہے۔ تعلیم سے انسان خلافت ارضی کے فرائض، تقاضوں اور ذمہ داریوں سے واقف ہوتا ہے۔ تعلیم انسان کو حیوانیت کی پستی سے اٹھا کر انسانیت کی بلندی پر پہنچاتی ہے۔

دنیا میں جاہ اور آخرت میں پناہ کیلئے
ہماری خوبصورت کتب

☆ نبی اکرم ﷺ کا شانہ نبوی میں	علی اصغر چودھری
☆ سیرت طیبہؐ (صدارتی ایوارڈ یافتہ)	پروفیسر غلام ربانی عزیز
☆ نبی کریمؐ کے سفر مبارک	محمد کلیم آرائیں
☆ رسول اکرم ﷺ کی انقلابی سیرت	مولانا اخلاق حسین قاسمی
☆ سیرت حضرت ابوذر غفاریؓ	ابن عبدالشکور
☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ (غیر مسلموں کی نظر میں)	عبدالصبور طارق
☆ عثمانی ترکوں کی تاریخ	عبدالصبور طارق
☆ پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف	علی اصغر چودھری
☆ دنیا کے بڑے مذہب	عمادالحسن فاروقی
☆ زنداں کے شب و روز	بیگم زینب الغزالی
☆ تاریخ سعودی عرب	شیخ محمد حیات
☆ اسلام اور جدید سائنس	مولانا شہاب الدین ندوی
☆ ہماری دعوت	حسن البناء شہید
☆ دم واپسیں سے رحمٰن کے فیصلے تک	علی اصغر چودھری
☆ کیا ہم مسلمان ہیں	استاد محمد قطب
☆ مذہب اور تجدید مذہب	پروفیسر عبدالحمید صدیقی
☆ اسلامی عقیدہ	مترجم مولانا عنایت اللہ سبحانی

مکتبہ تعمیرِ انسانیت
اردو بازار لاہور